دلاورانِ اسلام

اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی

دلاورانِ اسلام

مصنفہ

خواجہ جمیل احمد

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

FAISAL ... LIBRARY

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 057612
★ MAILSI ★

پہلی بار : ۱۹۷۸
تعداد : ۵۰۰
کتابت : منشی احمد علی دہلوی
طباعت : باب الاسلام پرنٹنگ پریس، کراچی

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

فہرست مضامین

اِنتساب

مجاہدِ اعظم مولوی احمد اللہ شاہ فیض آبادی شہیدؒ

کے نام

جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں لکھنؤ کے

محاذ پر برطانوی سامراج کے دانت کھٹّے کر دیئے

اور اپنی زندگی میں ان کے قدم لکھنؤ میں جمنے نہیں دیئے

پیش لفظ

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سابق مرکزی وزیر حکومت پاکستان
سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

خواجہ جمیل احمد صاحب کی کتاب دلاورانِ اسلام کے مسودہ کا ایک حصہ میں نے بالاستعیاب تو نہیں پڑھا۔ البتہ جگہ جگہ سے دیکھا ہے۔

میرے عنفوانِ شباب میں دستور تھا کہ ہر نوجوان کو تاکید کی جاتی تھی کہ وہ نپولین کے متعلق کسی کتاب کا مطالعہ ضرور کرے۔ فی الحقیقت یہ ایسی احساس کمتری کا نتیجہ تھا جس میں تمام عالم اسلام مغرب کے تسلط کے بعد گرفتار تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ مادر گیتی نے نپولین جیسا عظیم فرزند پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن ہم سب مسلمان سپہ سالاروں اور فاتحین کے کارناموں سے ناواقف ہوتے تھے۔ ہمارے دماغ پر یہ نقش غیر محسوس طور پر ثبت ہو گیا تھا کہ اسلامی تاریخ میں عظیم کارناموں کا فقدان ہے۔ اگر کوئی فاتح نظر بھی آتا تھا تو خود مسلمان ہی اس کی عظمت کو کم کرنے کی ہر کوشش کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ تاریخ کے ایک مسلمان پروفیسر نے محمود غزنوی کو

ایک کامیاب ڈاکو قرار دیا۔ اور اس کے کارناموں کو سراہنے کے بجائے قابلِ مذمت ٹھہرایا۔ یہ روایت ابھی تک زندہ ہے۔ راقم الحروف نے اپنی کتابوں میں اسلام کے کارناموں کو پوری تحقیقات کے ساتھ بیان کیا تو اس ملک کے بعض "دانشور" چیں بہ جبیں ہوئے اور اس امر کی پوری کوشش کی کہ میرے خیالات کا ابطال کیا جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جن کتابوں کو یورپ کے دانشوروں نے قابلِ قدر سمجھا انھیں پاکستان کے بعض اسلام دشمن حلقوں نے قابلِ مذمت قرار دیا۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اسلام کی خوبیاں بیان کرنے والوں سے قدرتی عداوت ہے۔ لیکن سچائی کو زیادہ عرصہ تک جھٹلایا نہیں جا سکتا اور مسلمانوں کو احساس کمتری میں ہمیشہ مبتلا رکھنا ناممکن ہے۔

اس احساس کمتری اور اسلام دشمنی کا ایک سبب یہ ہے کہ ہمارے بہت سے اساتذہ تحقیقات اور محنت کے جذبہ سے عاری ہیں۔ مدارس اور کالجوں تک میں طلبا۔ اور اساتذہ دونوں ہندوستان کے اکثر متعصب مورخوں کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں اور اگر خود بھی کبھی لکھنے کی توفیق ہوتی ہے تو مغربی یا ہندو مصنفوں کی خوشہ چینی سے آگے کم ہی بڑھتے ہیں۔

ان جاں گسل حالات میں جن سے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ناممکن ہوتی جاتی ہے یہ امر ہمت افزا ہے کہ بعض مصنفین اس کوتاہی کو کم کرنے میں کوشاں ہیں۔ انھیں میں سے خواجہ جمیل احمد صاحب ہیں جو اسلامی تاریخ کے اکثر فراموش کردہ گوشوں کو روشن کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی تازہ ترین تالیف دلاورانِ اسلام ہے جس میں انھوں نے تندہی کے ساتھ بہت

سے عظیم سپہ سالاروں اور فاتحین کے حالات جمع کر دئیے ہیں۔ یہ حالات تاریخ کی مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں اور اس لئے قاری کے لئے ان کا مطالعہ مشکل تھا۔ ایک اوسط درجہ کا قاری کہاں یہ صعوبت برداشت کرتا ہے کہ وہ اتنی کتابوں کی ورق گردانی کرے جب جاکر کہیں معلومات کا صحیح ذخیرہ جمع کرے۔ خواجہ صاحب نے قاری کے لئے یہ کام آسان کر دیا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے مشہور سپہ سالاروں کے حالات کو یک جا کر دیا ہے۔

سپہ سالاروں کا انتخاب بہت اچھا ہے۔ ہمارے بہت سے طلبا اور اساتذہ تو بعض کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اگر کسی اوسط درجہ کے استاد سے کہا جائے کہ دلاورانِ اسلام کی ایک اچھی فہرست ہی تیار کر دے تو وہ عاجز رہے گا۔ پھر ان کے حالات کو جمع کرنا اور بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرکے انھیں یک جا کرنا جوئے شیر لانے کے برابر سمجھے گا۔ یہ کتاب اسلام کے عظیم الشان جنگی کارناموں کے متعلق تشنگی کو دور کرنے میں بہت کامیاب ثابت ہوگی۔

اسلام کے جنگی کارنامے ایسے نہیں ہیں جن پر فخر نہ کیا جاسکے۔ جنگ میں خونریزی تو ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے کہ اتنے بڑے علاقوں کو کتنی کم خونریزی سے فتح کیا گیا تھا تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی کوئی قوم اتنی کم خونریزی سے اتنے بڑے علاقے پر تسلط قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ یورپ کی ایک جنگ میں جتنے انسان کام آئے اس کے عشر عشیر بھی اسلام کی پوری لڑائیوں میں ضائع نہیں ہوئے۔ پھر ان جنگوں نے ظلم واستبداد کے قلعے

مسمار کیۓ اور بڑی بڑی آبادیاں مسلمانوں کو اپنا حامی اور نگہبان سمجھنے لگیں۔ خود یورپین مصنفین اعتراف کرتے ہیں کہ عیسائی آبادیاں عیسائی حکومتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی حکومتوں کو ترجیح دیتی تھیں۔

اسلام نے کوئی علاقہ ظلم و تعدی کے لئے فتح نہیں کیا۔ مسلمانوں کی تلوار ظلم اور تعدی پر بجلی بن کر گری۔ اور جیسے بجلی گرنے کے بعد اکثر بارش اچھی فصلوں کی نوید لاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی جنگوں کے بعد امن و امان۔ اقتصادی ترقی اور عدل و انصاف کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔

ایک ایسی کتاب کی تالیف اس وقت نہایت ضروری تھی۔ خواجہ صاحب نے ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے۔

اشتیاق حسین قریشی

۲؍ جون ۷۷ء

عرضِ حال

اسلام کے برگزیدہ پیغمبرؐ نے جس حیرت انگیز انقلاب کو جنم دیا وہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط تھا۔ جس نے خانہ بدوش عربوں کو اپنے زمانہ کی سب سے بڑی طاقت بنادیا۔ جنھوں نے تیس سال کے قلیل عرصے میں اپنے زمانے کی دو عظیم ترین سلطنتوں۔ رومیوں اور ایرانیوں کے پرچم سرنگوں کردیئے۔

میدانِ حرب میں مسلمانوں کی ساری جدوجہد اپنی دفاع اور دنیا سے ظلم وستم۔ جور واستبداد ختم کرکے وہاں حق وانصاف کی حکومت قائم کرنے سے متعلق تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے جن ممالک کو فتح کیا وہاں کے عوام نے انھیں اپنا نجات دہندہ تسلیم کیا اور جوق درجوق وہ اسلامی اخوت اور مساوات کے دائرہ میں داخل ہوتے گئے۔

مسلمانوں کی جنگ خالصتاً اللہ کے لئے ہوا کرتی تھی جس میں مرنے والا شہید اور زندہ رہنے والا غازی کہلاتا تھا۔ بقول اقبالؔ ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اسی لئے میدان جنگ میں مسلمانوں نے جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور جس کی وجہ سے وہ اپنے سے کئی گنا بڑی افواج پر غالب رہے ہیں اس کی نظیر دیگر اقوام کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے جنگ اور صلح کے معاملوں میں جس بلند پایہ کردار اور اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے اس سے دیگر اقوام کی تواریخ یکسر خالی ہیں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم نے اسلام کے جانی دشمن قریش مکہ پر مکمل فتح پانے کے بعد فتح مکہ کے موقع پر جس فراخدلی اور رحم دلی کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی فاتح کی زندگی سے فراہم نہیں کی جا سکتی، اس وقت جبکہ مسلمان اپنے جانی دشمن قریش مکہ سے بدلہ لینے کے لئے بیقرار تھے۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ مکہ میں کسی قریش سے تعارض نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ ان کے سب سے بڑے دشمن، قریش کے سردار ابوسفیان کو بھی امان دی گئی اور یہاں تک ان کے ساتھ رعایت کی گئی کہ جو شخص بھی ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے اُسے چھیڑا نہ جائے۔

پیغمبر اسلام کے خاندان نے بڑے بڑے نامور بہادر پیدا کئے ہیں۔ جن میں آپ کے چچا حضرت امیر حمزہ اور آپ کے داماد اور چچا زاد بھائی شیر خدا حضرت علی نے اسلام کی ابتدائی جنگوں میں حیرت انگیز بہادری دکھائی۔ اور ان جنگوں میں فتح کا سہرا بڑی حد تک انھیں جانبازوں کے سر رہا ہے۔ ان دونوں بہادروں کی بہادری کی داستانیں ساری دنیائے اسلام میں مشہور ہیں اور ان کے کارنامے مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کرنے میں ہمیشہ ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں۔ "اللہ اکبر"۔ اور "یا علی" کے نعروں نے میدان جنگ میں مسلمان بہادروں کے جوش و خروش کو دوبالا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

ان کے بعد حضرت علی کے بھائی جعفر طیار اور حضرت علی کے صاحبزادے حضرت امام حسین۔ اور ان کے بھائی عباس کی بہادری کے کارنامے بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ حضرت علی کا مقابلہ ایک بار ایک کافر پہلوان مرحب سے ہوا جو ایک ہزار بہادروں کی قوت رکھتا تھا۔ حضرت علی نے اسے زیر کردیا تو اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اسے چھوڑ کر علیحدہ ہوگئے۔ مرحب کو بڑا تعجب ہوا اُسے خیال تھا کہ حضرت علی اس کا سر قلم کردیں گے۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں تم سے خدا کے لئے جنگ کررہا تھا۔ تم نے جو میرے منہ پر تھوکا تو مجھے غصہ آگیا اور اس وقت اگر میں تمھیں قتل کردیتا تو اپنے نفس کے لئے کرتا۔ اسی لئے میں نے تمھیں چھوڑ دیا۔ اب تم چاہو تو دوبارہ مجھ سے جنگ کرسکتے ہو۔ مرحب پر اس کا بڑا اثر ہوا، اور وہ مسلمان ہوگیا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے زمانۂ خلافت میں دمشق فتح ہوا۔ دمشق کا محاصرہ کئی دن تک جاری رہا۔ رومیوں نے اس کی فصیل کے اندر کثیر فوج اور سامانِ حرب جمع کر رکھا تھا جو کئی دن تک مسلمانوں کا مقابلہ کرتی رہی اور ہتھیار ڈالنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ ایک شب کو حضرت خالد بن ولید جو شہر کے ایک جانب محاصرہ کئے ہوئے تھے اس کی فصیل پر چڑھ گئے۔ اور لڑتے بھڑتے انھوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اس جانب سے شہر میں داخل ہوگئی۔ رومیوں نے جو یہ دیکھا تو جھٹ انھوں نے شہر کے دوسری جانب اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ سے صلح کی درخواست کی جو انھوں نے منظور کرلی، دوسری جانب سے حضرت ابوعبیدہ شہر میں داخل ہوئے تو حضرت خالد

بن لبید سے شہر کے وسط میں ملاقات ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ نے حکم دیا کہ شہر صلح کے بنا پر فتح ہوا ہے اور کوئی شخص مال غنیمت نہ لوٹے۔ سارے مسلمانوں نے اپنے ہاتھ روک لئے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو جب سارا ماجرا معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت عبیدہ کے صلح کی شرائط کو بحال رکھا۔

آٹھویں صدی عیسوی کے ابتدائی زمانے میں اسلامی پرچم سارے شمالی افریقہ پر لہرانے لگا اور مسلمانوں نے شمالی افریقہ کے قبائل کو رومیوں کے ظلم و استبداد سے نجات دلا کر وہاں عدل و انصاف کی حکومت قائم کی۔ اسی زمانے میں اسپین گوتھ قوم کے حکمراں روڈرک کے ظلم وستم۔ عیاشی اور ہوس پرستی کے تحت کراہ رہا تھا۔ وہاں کے ایک گورنر نے جس کی لڑکی پر شاہ روڈرک نے دست درازی کی تھی مسلمانوں کے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کو اسپین سے جور و استبداد کا خاتمہ کرنے کی دعوت دی۔ موسیٰ نے اپنے غلام طارق بن زیاد کی سرکردگی میں ایک مختصر سی فوج آبنائے جبرالٹر کے پار روانہ کی۔ جس نے شاہ روڈرک کی زبردست افواج کو شکست فاش دی اور اسپین کو گوتھ اقوام کی ظلم و ستم سے آزاد کرایا۔

مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں جب بیت المقدس کو جس پر تقریباً سو سال سے عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ فتح کیا تو مفتوح عیسائیوں کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی رحم دلانہ اور انسانیت پرور تھا۔ اس کے برخلاف تقریباً ایک صدی قبل جب عیسائیوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا تو ستر ہزار مسلمان مردوں۔ عورتوں۔ بچوں کو صرف مسجد عمر میں شہید کیا تھا۔

اور اتنا خوں بہایا تھا کہ گھوڑوں کی ٹانگیں اس میں ڈوب گئی تھیں۔ خود عیسائی مورخ میچاڈ اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ میچاڈ وہ خط نقل کرتا ہے جو ریمنڈ صاحب والی انطاکیہ نے عیسائیوں کی فتح بیت المقدس پر پوپ کو لکھا تھا وہ لکھتا ہے: "اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے ان دشمنوں کے ساتھ جن کو ہم نے شہر میں پایا کیا کیا۔ تو ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ رواق سلیمان۔ مسجد عمر اور گرجا میں ہمارے گھوڑے گھٹنوں تک مسلمانوں کے ناپاک خون میں چلتے تھے"۔

فرانسیسی مورخ میچاڈ بیت المقدس میں مسلمانوں کے قتل عام کا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "جب عیسائی مسجد عمر پر قابض ہو گئے۔ جس میں مسلمانوں نے تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو بچایا تھا تو ایک ہیبت ناک تکرار اس خونریزی اور قتل عام کے لئے شروع ہوا جو ٹیٹس کی فتح کے واسطے ہوا تھا۔ سوار اور پیادے مسجد عمر میں داخل ہو کر گڈمڈ ہو گئے۔ اس مہیب ہنگامہ کے درمیان سوائے گریہ وزاری اور موت کی چیخوں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ ریمنڈ ڈی اگلیس کا چشم دید بیان ہے کہ مسجد اور صحن کے اندر مقتولین کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں اور لگاموں تک پہنچ گیا۔ مورخ جوسفس لکھتا ہے کہ بیرون پہاڑ ان جگر پاش چیخوں سے جو معبد سے نکل رہی تھیں گونج رہا تھا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس کی سڑکوں اور بازاروں میں لاشوں کے ڈھیر لگا دئیے تھے۔ عورتوں کی گریہ وزاری نہ بچوں کی چیخیں۔ اور نہ اس مکان کا لحاظ جہاں مسیح نے اپنے قاتلوں کو معافی دی تھی غضبناک فتحمندوں (عیسائیوں) کے دلوں کو نرم کر سکا"۔

مسلمان جانبازوں نے اپنے جوش ایمانی اور جذبۂ جہاد کے تحت جس بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔ جنگ یرموک میں حضرت خالدبن ولید نے ساٹھ مسلمانوں کے ساتھ ساٹھ ہزار کفار کو شکست دی۔ دریائے برہٹے کے کنارے طارق بن زیاد کی سرکردگی میں بارہ ہزار مجاہدین نے شاہ روڈرک کی ڈیڑھ لاکھ فوج کو مار بھگایا۔ جو ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے لیس تھی۔ مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے تن تنہا یورپ کی متحدہ طاقت سے ٹکرلی اور انھیں پیچھے ڈھکیل دیا اور آخر کار ارض فلسطین سے انھیں باہر نکال دیا۔ بختیار خلجی نے اٹھارہ نوجوانوں کے ہمراہ بنگال فتح کیا اور ہندو افواج کو فرار پر مجبور کیا۔ محمد فاتح نے خشکی پر جہاز چلا دیئے اور آخر کار قسطنطنیہ کے ناقابل تسخیر شہر کو فتح کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا۔ صاحبقراں تیمور نے بڑی بڑی فوجوں کا مقابلہ کیا لیکن ہمیشہ کامیاب رہا۔ مسلمانوں کے زوال کے زمانے میں بھی احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں اپنے سے دس گنا بڑی مرہٹہ فوج کو شکست فاش دے کر ہندوستان پر راج کرنے کے ہندوؤں کا خواب پریشان کر دیا۔ بیسویں صدی عیسوی میں جب ترک جانباز یورپ کا "مرد بیمار" مشہور ہو چکا تھا۔ انور پاشا نے جنگ طرابلس میں اطالیوں کے دانت کھٹے کر دئیے، اور بلقان کی متحدہ طاقت کو شکست دے کر ایڈریانوپل پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے جنگ عظیم اول کے دوران گیلی پولی کے مقام پر انگریزوں کو ان کی تاریخ کی سب سے

زیادہ عبرت ناک شکست دی۔ جس کا اعتراف سابق وزیر اعظم برطانیہ سر ونسٹن چرچل نے اپنی مشہور عالم تاریخ میں کیا ہے۔ مصطفٰے کمال پاشا نے ۱۹۲۱ء میں دریائے سکاریہ کے کنارے چند ہزار نیم مسلح ترکوں کے ساتھ یونانیوں کی زبردست فوج کو جنھیں اتحادیوں کی امداد حاصل تھی اور جو ہر قسم کے جدید اسلحوں سے آراستہ تھی، شکستِ فاش دے کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

یہ ضرور ہے کہ مسلمان جب عیش و عشرت میں پڑ گئے اور خود غرضیوں کا شکار ہو گئے۔ اس وقت ان کی عسکری قوت بھی ان سے رخصت ہو گئی۔ لہو و لعب نائے نوش نے ان کے قویٰ کو مفلوج اور ان کے ایمان کو متزلزل کر دیا باہمی تنازعات اور قومی انتشار نے انہیں مغلوب کرنے کے لئے دشمن کو مواقع فراہم کئے۔ واجد علی شاہ، محمد شاہ رنگیلے۔ جہاں دار شاہ۔ اور اسپین کے ابو عبدل ایسے کردار بھی اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں اسلامی تاریخ کی سب سے زیادہ شرمناک شکست پاکستان کو بھارت کے ہاتھوں مشرقی پاکستان میں دسمبر ۱۹۷۱ء میں اٹھانی پڑی۔ اس میں بھی شراب و کباب نائے نوش نیز قومی انتشار اور خود غرضیوں کو بڑا دخل تھا۔

غیر مسلم مورخوں نے اسلامی فتوحات اور مسلمان بہادروں کے کارناموں کو ہمیشہ غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اور ان پر بربریت اور قتل و غارتگری کے الزام عائد کئے ہیں۔ جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس قسم کی تہمت لگانے کا مقصد مسلمانوں کے کارناموں کو گھٹانا اور ان کے اثر کو زائل کرنا ہے۔ میری اس حقیر اور مختصر تصنیف کا مقصد غیر مسلم

مورخوں کے جھوٹ کے پردہ کو چاک کر کے حقیقت کو آشکارا کرنا ہے۔ میں اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا، اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

خواجہ جمیل احمد

کاشانۂ زبیدہ
۵/۳ - ای / بلاک نمبر۲
ناظم آباد، کراچی ۱۸

مشہور اسلامی فتوحات

مسلمانوں نے اکثر و بیشتر اپنے سے بہت طاقتور حریفوں پر فتح پائی ہے جو تعداد میں ان سے کہیں زیادہ اور سامان حرب میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ جنگ بدر سے شروع ہوتا ہے، جو ۶۲۴ء میں ہوئی اور جس میں پیغمبر اسلامؐ نے بہ نفس نفیس حصہ لیا۔ اس جنگ میں ۳۱۳ نیم مسلح مسلمانوں نے ایک ہزار سے زائد نفوس پر مشتمل لشکر قریش کو جو ہر قسم کے آلات حرب سے آراستہ تھا، شکست فاش دی۔ ان فتوحات کا سلسلہ جنگ سکاریہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جس میں مصطفےٰ کمال پاشا کی زیر قیادت ۱۹۲۱ء میں چند ہزار نیم مسلح ترکوں نے یونانیوں کے لشکر جرار کو جو ہر قسم کے جدید آلات حرب سے لیس تھا اور جسے اتحادیوں کی پوری حمایت حاصل تھی شکست فاش دے کر اناطولیہ سے باہر دھکیل دیا۔ مسلمانوں نے اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور حریفوں کو میدان جنگ سے مار بھگایا ہے۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی تیسری جنگ

ہیں اپنے سے دس گنا زیادہ بڑی اور طاقتور مرہٹہ فوج کے پاؤں میدان جنگ سے اکھاڑ دیئے اور انھیں فرار پر مجبور کیا۔ بیسویں صدی عیسوی میں جب ترکی یورپ کا مرد بیمار" مشہور ہو چکا تھا۔ غازی انور پے نے ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں طاقتور عیسائی حریفوں کو پے در پے شکستیں دیں۔

چند نمایاں اسلامی فتوحات کا تذکرہ یہاں بے جا نہ ہوگا۔

جنگ بدر پہلی جنگ ہے جس میں مسلمانوں نے حصہ لیا۔ کفار قریش جو پیغمبر اسلامؐ اور ان کے پاک باطن اصحاب کے جانی دشمن تھے۔ مسلمانوں کے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مذہب اسلام کے پیروؤں کو ختم کرنے کے منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ آخر کار انھوں نے ۶۲۴ء میں ایک ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کفار کے ذریعہ جو ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تھا مدینہ پر چڑھائی کی۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی سرکردگی میں تین سو تیرہ نیم مسلح مسلمان جن میں بہتوں کے پاس تلواریں تک نہ تھیں۔ لشکر کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ اور بدر کے مقام پر حق و باطل کا پہلا معرکہ ہوا۔ جس میں شیر خدا حضرت علی اور آں حضرتؐ کے چچا حضرت حمزہ نے بڑی بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ حق آخر کار باطل پر غالب ہوا اور کفار قریش کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ ان کے متعدد سردار مارے گئے۔

۶۳۷ء میں قادسیہ کے مقام پر وہ تاریخی جنگ لڑی گئی جس نے فارس (ایران) کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ جس میں مشہور صحابی حضرت سعد بن وقاص کی سرکردگی میں بیس ہزار عربوں نے اپنے سے پندرہ گنی ایرانی

فوج کو شکست فاش دی۔ ایرانیوں کی فوج جو تین لاکھ نفوس پر مشتمل، ہر قسم کے جدید ساز و سامان سے آراستہ تھی۔ اس کی کمان ایران کا نامور بہادر رستم کر رہا تھا جو خود بھی لڑائی میں مارا گیا۔ اس لڑائی میں عربوں کو پہلی بار جنگی ہاتھیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مشہور اسلامی بہادر قعقاع نے سخت حملے کرکے ان کے منہ ایرانیوں کی جانب موڑ دیئے۔ ان ہاتھیوں نے ایرانی فوجوں میں سخت ابتری پیدا کر دی۔

جنگ یرموک دنیا کی عظیم ترین لڑائیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اسی جنگ نے شام اور فلسطین میں رومیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس طرح خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظم کے مبارک عہد خلافت میں خانہ بدوش عربوں نے اپنے زمانے کی دو طاقتور ترین سلطنتوں۔ ایران اور روم۔ کے تخت الٹ دیئے اور انہیں ایسی عبرتناک شکستیں دیں جن کی بنا پر ایشیا اور افریقہ میں ان کا زور ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا اور ان براعظموں سے ان کا جنازہ نکل گیا۔ مشہور اسلامی سپہ سالار سیف اللہ حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں چالیس ہزار نیم مسلح عربوں نے دریائے یرموک کے کنارے ۶۳۴ء میں رومیوں کے لشکر جرار کو جس میں تین لاکھ سے زائد نفوس تھے اور جو پوری طرح مسلح تھے اور جس کی کمان متعدد نامور رومی بہادر کر رہے تھے، کاٹ کر رکھ دیا۔ رومی سپاہیوں کو فرار کا راستہ نہیں ملتا تھا اور ان کی بڑی تعداد دریائے یرموک میں ڈوب کر ہلاک ہو گئی۔ اس لڑائی میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ رومی مارے گئے۔ اس عبرتناک شکست کی خبر سن کر رومی شہنشاہ ہرقل اعظم چلا اٹھا ــــ "شام کے خوبصورت علاقے خدا حافظ۔ تو اب دشمن کی ملکیت ہو گیا ہے۔"

اسی دوران سیف اللہ حضرت خالد بن ولید نے دیارِ شام کی لڑائیوں میں بہادری اور جنگی مہارت کا ایک ایسا مظاہرہ کیا جو تاریخ حرب میں کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ ان کی سرکردگی میں ساٹھ عرب بہادروں نے جبلہ بن غسان کی ساٹھ ہزار عرب عیسائی فوج کو شکست فاش دی۔

نہاوند میں ۶۴۲ء میں مسلمانوں کی فتح نے ہمیشہ کے لئے ساسانی سلطنت کا چراغ گل کر دیا۔ اسی لئے اس فتح کو عظیم فتح تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی جنگ میں جو کوہ البرز کے دامن میں لڑی گئی ایرانیوں کی تعداد مسلمانوں سے چھ گنا زیادہ تھی۔ اس لڑائی میں ایرانیوں کو سخت جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ شہنشاہ ایران جو میدان جنگ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا، ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا اور آخر کار اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

تاریخ عالم میں طارق بن زیاد ایسے جری اور دلیر اشخاص بہت کم ملتے ہیں۔ طارق ایک بربر غلام تھا۔ جس نے اسپین کو فتح کر کے یورپ میں اسلام کا پرچم نصب کیا۔ اس نے ۷۱۱ء میں تھوڑی سی فوج لے کر آبنائے جبرالٹر کو عبور کر کے ساحل اسپین پر لنگر انداز ہوا۔ جبل الطارق (جبرالٹر) آج بھی اپنے عظیم فاتح کے نام پر قائم ہے۔ ساحل پر اترنے کے بعد اس نے حکم دیا کہ جہازوں کو آگ لگا دی جائے۔ اس کے ساتھیوں نے حیرت سے پوچھا: "یہ آپ کیا کر رہے ہیں، ہم واپس کیسے جائیں گے۔" طارق نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا: "ہم واپس جانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ یا تو ہم اس ملک کو فتح کر کے اسلام کا پرچم یہاں نصب کریں گے یا پھر شہید ہو جائیں گے۔"

دنیا نے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ دریائے بربٹے (BARBATE) کے کنارے طارق کی بارہ ہزار فوج نے گوتھ بادشاہ روڈرک کی ڈیڑھ لاکھ فوج کا جنازہ نکال دیا اور اسپین میں اسلامی پرچم کو بلند کیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۲۶ء میں سومناتھ (کاٹھیاواڑ) کے مقام پر ہندو راجاؤں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دی۔ جو محمود کی فوج سے دس گنا بڑی اور ہر قسم کے آلاتِ حرب سے آراستہ تھی اور جس میں سینکڑوں جنگی ہاتھی حصے رہے تھے۔

ترائن (ہندوستان) کی لڑائی میں جو ۱۱۹۲ء میں لڑی گئی سلطان محمد غوری نے اپنے سے کہیں بڑی ہندو فوج کے پاؤں میدانِ جنگ سے اکھاڑ دیئے۔ ہندوؤں کی فوج کی قیادت دہلی اور اجمیر کا حکمراں پرتھوی راج راٹھور کر رہا تھا۔ پرتھوی راج اور اس کے متعدد جرنیل اس جنگ میں کام آئے۔

محمد بختیار خلجی نے ۱۱۹۹ء میں تاریخ حرب کا ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا جب انھوں نے اٹھارہ سواروں کے ساتھ بنگال کے ہندو راجہ پر ندیا کے مقام پر حملہ کیا اور اسے فرار پر مجبور کیا۔ راجہ اپنا لاؤ لشکر لے کر قلعہ کے عقبی دروازے سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس طرح بنگال کے زرخیز علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے تن تنہا یورپ کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کیا اور انھیں ارضِ مقدس سے باہر نکال دیا۔ تاریخ عالم میں سلطان صلاح الدین ایسے بہادر اور رحم دل انسان کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ جنھوں نے بیت المقدس کو

فتح کرنے کے بعد وہاں کے عیسائیوں کی جاں بخشی کی اور ان سے کوئی تعارض نہیں کیا۔ انھیں عیسائیوں نے جب تقریباً ایک صدی قبل بیت المقدس فتح کیا تھا تو وہاں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی تھیں۔

نکوپولیس کی جنگ میں جو ۱۳۹۶ء میں لڑی گئی۔ ترکی سلطان بایزید یلدرم نے بڑی جنگی مہارت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اس کا مقابلہ یورپ کے عیسائی ملکوں کی متحدہ فوج سے تھا۔ جو ترکی فوج سے کہیں زیادہ بڑی تھی اور جس کا دعویٰ تھا کہ "اگر آسمان بھی گر پڑے تو وہ اپنے نیزوں پر اسے روک لیں گے۔"

ترکوں اور عیسائیوں کی افواج جب آمنے سامنے آئیں تو ترکی سلطان نے تھوڑی دیر مقابلہ کرکے اپنے قلب کو پیچھے ہٹایا۔ اور کئی میل تک پیچھے چلا گیا عیسائیوں نے خیال کیا کہ سلطان شکست کھا کر فرار ہو رہا ہے۔ عیسائی فوج نے پورے زور و شور سے ترکی فوج کا پیچھا کیا اور جب کئی میل تک پیچھا کرتے ہوئے وہ آگے نکل گئی تو ترکی فوج کے میمنہ اور میسرہ نے آگے بڑھ کر پوری عیسائی فوج کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ قلب سے سلطان بایزید نے پلٹ کر عیسائی فوج پر بھرپور حملہ کیا۔ عیسائیوں کی گھری ہوئی فوج پر چہار جانب سے ترکوں کا حملہ اتنا شدید تھا کہ ان میں سے بہت کم میدان جنگ سے زندہ بچ سکے اور سارے کے سارے کھیت رہے۔

صاحبقران تیمور کا شمار دنیا کے چند عظیم ترین فاتحین میں ہوتا ہی شاید تیمور ہی وہ عظیم ترین فاتح ہے جس نے سینکڑوں بڑی بڑی جنگوں میں حصہ لیا۔

لیکن کبھی شکست نہیں کھائی۔ دنیا کے دیگر عظیم فاتح مثلاً سکندر اعظم اور چنگیز خاں نپولین اور سیزر۔ ہلاکو خاں اور ہنی بال صاحبقراں تیمور کے مقابلے میں کم تر درجہ کے دکھائی دیتے ہیں۔ تیمور نے جنگی مہارت بہادری اور جرأت کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخ حرب میں مشکل سے ملتا ہے۔ انتہائی مشکل حالات میں اس کی فتوحات کسی معجزے سے کم نہیں دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے عہد میں چھ انتہائی طاقتور حکمراں دنیا میں حکومت کر رہے تھے۔ جن میں سے پانچ کو اس نے شکست فاش دی، اور چھٹے (خاقان چین) کو شکست دینے کے لئے وہ روانہ ہوا تھا کہ راستے میں اس کا انتقال ہو گیا۔

مئی ۱۴۵۳ء میں حیرت زدہ یورپ نے دیکھا کہ ایک اکیس سالہ ترک نوجوان اپنے سفید گھوڑے پر قسطنطنیہ (استنبول) میں داخل ہو رہا ہے، جو اس وقت کی دنیا کا مستحکم ترین شہر تسلیم کیا جاتا تھا جو تاریخ میں محمد فاتح کے نام سے مشہور ہوا، اور آل عثمان کے خاندان کا ساتواں حکمراں ہے۔ اس نے خشکی پر جہاز چلا کر قسطنطنیہ کے ناقابل تسخیر شہر کو فتح کر کے تاریخ حرب کا ایک حیرت انگیز کارنامہ سر انجام دیا۔ اس سلسلہ میں اس کی منصوبہ بندی بحری تاریخ کا ایک معجزہ نما کارنامہ ہے۔

ظہیر الدین بابر جس نے ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت کی بنا ڈالی ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو کانوا کے مقام پر راجپوتوں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دی جس کی قیادت مشہور راجپوت بہادر رانا سانگا کر رہا تھا۔ رانا سانگا نے جس کی ایک آنکھ اور ایک بازو جنگوں کے نذر ہو گیا تھا۔ افغانوں کے خلاف اٹھارہ لڑائیاں لڑی تھیں۔ بابر نے اپنے سے آٹھ گنا بڑی راجپوت فوج کو

جس میں اسی ہزار سوار اور تین ہزار جنگی ہاتھی تھے اور جس کی قیادت ایک سو بیس راجپوت سردار کر رہے تھے شکست فاش دی۔ جس نے ہندوستان میں مغلوں کے پیر جما دیئے۔

مسلمان سلطنتوں کے زوال کا اصلی سبب مسلمان حکمرانوں کی بے راہ روی اور عیش کوشی رہا ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی غیر اعتدال پسندی نے انھیں اکثر و بیشتر غرق مے ناب اولی کیئے رکھا۔ عقل ہوش سے بے بہرہ ہو کر وہ شراب اور زن کے بندے ہو کر رہ گئے۔ غیر مسلموں، خصوصاً عیسائیوں اور ہندوؤں نے مسلمان حکمرانوں کی اس کمزوری سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اور اپنی خوبصورت عورتوں کے ذریعہ مسلمان حکمرانوں کے درباروں میں سازشوں اور جاسوسی کا جال بچھا دیا جو آخرکار مسلمان سلطنتوں کے زوال کا باعث ہوئیں۔

سولھویں صدی عیسوی میں دکن میں چار مسلمان سلطنتیں قائم تھیں عادل شاہی۔ نظام شاہی۔ قطب شاہی اور برید شاہی۔ لیکن ان کے جنوب میں واقع وجیا نگر کی ہندو ریاست اپنی ریشہ دوانیوں اور جاسوسوں کے ذریعہ ان مسلمان حکمرانوں کو آپس میں لڑاتی رہتی تھی۔ عیش پرست مسلمان حکمرانوں کے حرموں میں اپنی خوب صورت لڑکیوں کے ذریعہ اس نے جاسوسی کا جال بچھا رکھا تھا جو پل پل کی خبر اسے پہنچایا کرتی تھیں۔

وجیانگر کے ہندو راجہ کی ہمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے ۱۵۶۴ء میں احمد نگر کے حسین نظام شاہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی شرائط مان لے، گائے کا ذبیحہ بند کرے اور مسجدوں میں اذان دینا بند کرے ورنہ احمد نگر کو تباہ کر دیا جائیگا۔

حسین نظام شاہ نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اپنی ذاتی کوششوں سے قطب شاہ عادل شاہ اور برید شاہ کو متحدہ کر کے کفر سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ ۲۵ر جنوری ۱۵۶۵ء کو دکن کے چار مسلمان حکمرانوں کی متحدہ فوج جو اٹھائیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی وجیانگر کی ریاست میں داخل ہوئی ۔ وجیانگر کے ہندو راجہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت ہنسا کہنے لگا کہ شامت اعمال انھیں یہاں کھینچ لائی ہے۔ وہ اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج کو جو ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے لیس تھی لے کر آگے بڑھا۔ تالیکوٹہ کے میدان میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حسین نظام شاہ بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑا۔ ہندوؤں کو شکست فاش ہوئی ان کا راجہ مارا گیا اور ان کے ایک لاکھ سپاہی کھیت رہے۔

اٹھارہویں صدی کے وسطی زمانہ میں مرہٹوں کی طاقت اپنے بام عروج کو پہنچ چکی تھی۔ سارے ہندوستان میں ان کا ڈنکا بجتا تھا۔ کوئی مسلمان حکمراں ان سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ مرہٹے سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کے حملے شمالی ہند پر تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا کہ شمالی ہند کی مسلمان راستیں چندر روز کی مہمان ہیں۔ ایسے تاریک ماحول میں مغرب میں ایک ستارہ چمکا اور احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں اپنے سے دس گنا بڑی مرہٹہ فوج کو جس کے پاس بڑا توپ خانہ بھی تھا راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ دو لاکھ سے زائد مرہٹے میدان جنگ میں کھیت رہے، اور متعدد مرہٹہ جنرل بھی اس تاریخی جنگ میں کام آئے۔ اس طرح پانی پت کی تیسری جنگ نے ہندوستان

میں ہندو راج قائم کرنے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونے نہیں دیا۔ مرہٹوں کے حکمراں پیشوا کو جب اس شکست فاش کی خبر ہوئی تو اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔

اپنے زوال کے زمانے میں بھی جب سلطان ترکی کو "یورپ کا مرد بیمار" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۱ء میں جنگ سکاریا میں یونان کے لشکر جرار کو پسپا کر دیا۔ اور انہیں اناطولیہ سے باہر ڈھکیل دیا۔ مصطفےٰ کمال پاشا کی اس حیرت انگیز فتح پر ساری دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

حضرت امیر حمزہ

قدیم عرب کے قبیلہ قریش کے خاندان بنو ہاشم نے دنیائے اسلام کی متعدد عظیم ترین شخصیتیں پیدا کی ہیں جو نہ صرف اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھیں بلکہ چشم فلک نے ایسی بے مثال شخصیتیں دیکھی ہیں اور نہ آئندہ دیکھنے کی امید ہے ان میں افضل الانبیار خیر البشر فخر موجودات۔ سرورِ کائنات۔ رسالت مآب حضرت محمد صلعم کی سیرت پاک پر یہاں روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے۔ ان کے خاندان میں شہید اعظم حضرت امیر حمزہ۔ شیر خدا حضرت علی۔ سید الشہدار، حضرت امام حسین نیز حضرت جعفر طیار اور حضرت عباس علمدار ایسے دلاوران اسلام نے جنم لیا۔ زہد و تقویٰ اور علوم و فنون کے میدان میں حضرت علی۔ حضرت امام حسن اور حسین۔ حضرت زین العابدین۔ حضرت جعفر صادق اور حضرت موسیٰ کاظم ایسے صاحب علم و فن پیدا ہوئے۔ شیر خدا حضرت علی ایسی نادر اور جامع الصفات شخصیت جس کی دوسری مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے، ایک جانب شیر خدا تھے تو دوسری جانب باب العلم۔ ان کے علاوہ رسولِ خدا کی چہیتی بیٹی

خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرہ اور ان کی عظیم صاحبزادی حضرت زینب اپنے زہد و تقویٰ۔ استقامت دین اور علو ہمتی نیز سخاوت اور خدمت خلق کے لئے تاریخ عالم میں بے مثال ہیں۔ غرضکہ عرب کے اس خاندان نے بڑے بڑے صاحب علم اور کردار پیدا کئے۔

حضرت امیر حمزہ جو عبد المطلب کے بیٹے اور اسلام کے برگزیدہ پیغمبرؐ کے چچا تھے۔ اپنی بے مثل شجاعت کی وجہ سے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک افسانوی کردار بن گئے ہیں۔ بڑی بڑی داستانیں اور حکایتیں آپ کی شجاعت کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ جن میں داستان امیر حمزہ بہت مشہور ہے۔ جس میں حقیقت سے زیادہ افسانہ ہے بلکہ سراسر افسانہ ہے۔ دنیا میں بہادروں سے متعلق ایسی بہت سی داستانیں اور حکایتیں مشہور ہو گئی ہیں، اور تذکرہ نگاروں اور افسانہ نویسوں نے انھیں قلم بند کر دیا ہے اور زیب داستان کے لئے ان میں بڑی مبالغہ آمیزی بھی کر دی ہے۔

حضرت امیر حمزہ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی خاص نوعیت کا ہے۔ نزولِ وحی کے دوسرے سال رسول خدا کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ دشمن اسلام ابوجہل بن ہشام کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے آں حضرت اور آپ کے دین کو بہت بُرا بھلا کہا، آپ خاموش رہے۔ بعد ازاں وہ کعبہ کی جانب چلا گیا۔ اسی دوران میں حضرت حمزہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ تیر کمان سے لیس شکار سے واپس ہوئے تھے۔ گھر پہنچے تو لونڈی نے سارا واقعہ حضرت حمزہ کو سنایا۔ جس کو سن کر وہ آگ بگولا ہو گئے۔ فی الفور ابوجہل کی تلاش میں کعبہ کی جانب پلٹے۔ ابوجہل قریش کے چوپال

میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت حمزہ نے اُسے بال پکڑ کے کھینچا اور اس سے باز پرس کی۔ اس کے بعد حضرت حمزہ آں حضرتؐ کے پاس آئے۔ کہنے لگے "محمدؐ تم کو خوشی ہوگی میں نے ابوجہل کو بہت ذلیل کیا اور تمہارے ساتھ بدتمیزی کرنے کا اس سے بدلہ لے لیا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "چچا مجھے تو خوشی اس وقت ہوگی جب آپ اسلام قبول کرلیں گے۔" اس پر امیر حمزہ نے اُسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ کفار قریش کو حضرت حمزہ کے اسلام قبول کرنے سے بڑی تشویش ہوئی۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کو پریشان کرنا آسان نہ ہوگا۔

حضرت امیر حمزہؓ نے بھی مدینہ ہجرت کی۔ آپ کی شجاعت اور دلاوری کی وجہ سے مدینہ منورہ میں آپ کو خدا اور رسول کے شیر کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آں حضرتؐ نے آپ کی سربراہی میں ایک چھوٹے سے دستے کو کفار قریش کے کارواں کو روکنے پر مامور کیا۔ جو مدینہ منورہ کے تاخت و تاراج کا ارادہ رکھتا تھا۔ آپ نے یہ کام بحسن وخوبی سرانجام دیا۔

دوسری ہجری میں آں حضرتؐ کی سرکردگی میں تین سو تیرہ بندگانِ خدا بدر کے مقام پر قریش مکہ کے زبردست لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے جو ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور ہر قسم کے آلاتِ حرب سے لیس تھا اور جس میں عرب کے نامور بہادر شامل تھے۔ حضرت امیر حمزہ بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھے۔ جنگ کی ابتدا میں کفار قریش کے تین نامور بہادر عتبہ، شیبہ اور ولید اپنے لشکر سے باہر نکلے اور انھوں نے مسلمانوں سے مبارز طلبی کی۔ مسلمانوں کے لشکر سے تین انصار باہر نکلے لیکن انھوں نے یہ کہکر ان سے لڑنے سے انکار کردیا کہ یہ بہادر ہمارے مدمقابل نہیں ہیں۔ اور عبدالمطلب کے

خاندان کے افراد ہمارے مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اس پر آں حضرتؐ کی اجازت سے حضرت عبیدہ بن الحارث۔ حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی لشکر سے باہر نکلے۔ حضرت امیر حمزہ نے اپنے مقابل۔ عتبہ کو حضرت علی نے اپنے مقابل ولید کو ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا شیبہ نے حضرت عبیدہ کے پاؤں کاٹ دیئے۔ اس پر امیر حمزہ اور حضرت علی نے حملہ کر کے شیبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی نے جنگ بدر میں شجاعت اور دلیری کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ کفار قریش کے ستر افراد کھیت رہے جس میں ابو جہل بن ہشام سمیت متعدد بہادر شامل تھے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کو ایک شاندار فتح حاصل ہوئی۔

جنگِ احد میں بھی حضرت امیر حمزہ نے بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا! انھوں نے کفار قریش کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ انھوں نے مشہور قریشی بہادر ابو نیار سباع کو ایک وار میں جہنم رسید کر دیا۔ اور کفار قریش کے علمبردار کو بھی قتل کر دیا۔ یکے بعد دیگرے کفار قریش کے سامنے علمبرداروں کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت امیر حمزہ نے کفار قریش کی صفوں میں جدال و قتال کا ایسا مظاہرہ کیا اور کفار کی صفیں کی صفیں پلٹ کر رکھ دیں وہ بڑی بے جگری سے داد شجاعت دے رہے تھے۔ کہ ابو سفیان کی زوجہ اور عتبہ کی بیٹی ہندہ کے غلام وحشی نے جسے ان نے حضرت حمزہ کو قتل کرنے پر مامور کیا تھا چھپ کر زہر آلود نیزہ۔ آپ کے اوپر پھینکا جو آپ کی ناف سے آر پار ہو گیا۔ اور آپ فی الفور شہید ہو گئے۔ وحشی نے آپ کا سینہ چاک کر آپ کا کلیجہ نکالا اور ہندہ نے اُسے اپنے دانتوں سے چبایا اور اس طرح اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۷ یا ۵۹ سال تھی اور آپ پیغمبر اسلامؐ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔

حضرت امیر حمزہؓ اسلام کے اولین دور کے نامور بہادر تھے۔ ان کا مزار مدینہ منورہ میں مرجع خاص و عام ہے۔ اور ان کا نام افسانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

حضرت علیؓ

شیرِ یزداں شاہِ مرداں سطوتِ پروردگار
لا فتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار

شیرِ خدا فاتح خیبر صاحب سیف وقلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسلام کی ابتدائی غزوات میں جو جلیل القدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ لاثانی ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کفار کے خلاف اسلام کے عظیم ترین بہادر تھے۔ جن کے سامنے کفار قریش اور یہودیوں کے بڑے سے بڑے شمشیر زن اور پہلوان نہ ٹھہر سکے۔ اسی وجہ سے انھیں شیرِ خدا کا لقب عطا ہوا۔

حضرت علی کی تعلیم اور تربیت خود رسالت مآب افضل الانبیار کی زیرِ نگرانی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی ایک جامع الصفات انسان بن کر نکلے۔ وہ اگر ایک جانب شیرِ خدا تھے تو دوسری جانب باب العلم۔ علم وفضل۔ زہد وتقویٰ۔ بہادری اور شجاعت، سخاوت اور دیانت، فہم وذکا۔ عقل ودانش۔ حلم وخلق میں صحابہ کرام میں آپ کا نمایاں مقام ہے۔ دنیا میں بہت کم ایسے اشخاص گزرے ہوں گے

جن میں ایسی متضاد صفات جمع ہو گئی ہوں جیسی حضرت علی میں پائی جاتی تھیں. بہادری کے ساتھ علم کا کیا جوڑ ہے۔ رسولِ خداؐ کے وصال کے بعد حضرت علیؓ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے فقیہہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ ایک بار خلیفۂ ثانی حضرت عمرِ فاروق اعظم نے کہا کہ "خدا نہ کرے کوئی ایسا شرعی مسئلہ ہمیں درپیش آئے جس کا حل علی کے پاس نہ ہو"۔

حضرت علی کے فضائل بیشمار ہیں۔ بچّوں میں سب سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ جملہ مسلمانوں میں حضرت علیؓ سب سے پہلے خدا اور رسُول پر ایمان لے آئے۔ ختم المرتبت حضرت محمد صلعم نے اپنی چہیتی بیٹی خاتونِ جنّت حضرت فاطمہ زہرا کو آپ کے نکاح میں دیا جو امام حسن اور حسین ایسے بیٹوں اور زینب ایسی بیٹی کی والدہ ہیں۔ صوفیار کے سارے سلسلے حضرت علی سے شروع ہوتے ہیں۔ پیغمبر اسلام جو بیت العلم تھے انھوں نے حضرت علی کو باب العلم قرار دیا۔ رسُولِ خدا نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی تو اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا دیا تاکہ دوسرے دن وہ اہلِ قریش آن امانتیں واپس کر سکیں جو انھوں نے آن حضرتؐ کے پاس رکھوائی تھیں۔ اس خوفناک رات کو آن حضرتؐ کے بستر پر لیٹے رہنا جبکہ گھر کے چاروں طرف کفار و قریش آن حضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے منڈلا رہے تھے کوئی معمولی دل جگرے کے انسان کا کام نہ تھا۔ لیکن حضرت علی پھولوں کی سیج سمجھ کر کانٹوں کے اس بستر پر لیٹ گئے، اور بلا خوف و خطر یہ رات انھوں نے وہاں بسر کی۔ دوسرے دن وہ کفّارِ قریش کی امانتیں واپس کر کے مدینہ چلے گئے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں شجاعت اور دلیری میں حضرت علی کا کوئی مدمقابل نہ تھا پیغمبر اسلامؐ کی غزوات میں شاید ہی کوئی ایسا غزوہ تھا جس میں حضرت علی نے اپنی نمایاں شجاعت کا ثبوت نہ دیا ہو۔ قریش کے نامور بہادروں کو زیر کرنے کا سہرا حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی ہی کے سر ہے۔ بلکہ جنگِ احد میں حضرت امیر حمزہ کی شہادت کے بعد اسلامی لشکر میں حضرت علی سب سے بڑے مرد میدان تھے۔ جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت علی نے اپنی خداداد شجاعت اور دلاوری کے وہ جوہر دکھائے جس نے کفار کے حوصلوں کو پست کر دیا اور ابد آباد تک ان کا نام روشن کر دیا۔ انھوں نے کفار قریش اور دیگر قبائل کے ایسے طاقت ور اور شہ زور پہلوانوں کو مار گرایا جو طاقت میں ہزاروں بہادروں کے برابر تھے۔ آں حضرت کے دوران حیات حضرت علی تمام جنگوں میں ان کے ساتھ رہے اور ہر جنگ میں انھوں نے شجاعت کے بے مثال کارنامے سرانجام دئے۔ کبھی آپ کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوئی۔ غزوہ بدر۔ احد۔ قفینہ۔ بنو نضیر۔ غزوہ خندق۔ بنو قریظہ۔ بنو سعد کی سرکوبی۔ غزوۂ خیبر اور حنین غرضکہ سارے غزوات میں حضرت علی داد شجاعت دیتے رہے۔ خیبر کا مضبوط اور مستحکم قلعہ آپ ہی کے زور بازو سے فتح ہوا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی کو آں حضرت کی قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا حضرت علی کو مدینہ میں آں حضرت نے روک دیا اور کہا:

"تمھیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد اب کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔"

حضرت علی نے اپنی بے مثل شجاعت کے جوہر پہلی بار غزوہ بدر میں دکھلائے۔

جس میں انھوں نے مبارز طلبی میں عرب کے نامور بہادروں ولید اور شیبہ کو زیر کر دیا۔ جنگ احد میں جب اسلام کا پرچم بردار شہید ہو گیا، انھوں نے اسلام کا پرچم سنبھال لیا اور دشمن کے پرچم بردار کو قتل کر دیا۔ دو سال بعد امر ابن عبدہ کو جو عرب کے ہزار پہلوانوں کی طاقت رکھتا تھا، پچھاڑ دیا۔ حضرت علی کی شجاعت کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ فتح خیبر ہے۔ خیبر کا قلعہ جو مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا ناقابل تسخیر تصور ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قیادت میں متعدد حملوں کے باوجود یہ سر نہ ہو سکا۔ اس پر پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:۔

"کل میں اسلام کا پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اسے فتح کر لے گا اور جو خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا اور اس کا پیغمبر بھی اس کو چاہتے ہیں۔"

دوسری صبح کو آں حضرتؐ نے حضرت علی کو اپنے پاس طلب کیا۔ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ پیغمبر اسلام نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا، جس سے آشوب چشم جاتا رہا، اور اسلامی پرچم ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت علی نے قلعہ پر ایک سخت حملہ کیا اور اس کا بھاری دروازہ جس کو درجنوں بہادر ہلا بھی نہیں سکتے تھے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اور خیبر کا ناقابل تسخیر قلعہ حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

حضرت علی حقیقی معنوں میں دنیا کے عظیم ترین بہادر تھے۔ آج کبھی ان کا نام ساری دنیا میں اس وجہ سے روشن ہے۔ دنیائے اسلام میں تو ان کا نام لے کر پہلوان اکھاڑے میں اترتے ہیں۔ حقیقی بہادر ہونے کی وجہ سے وہ بہت رحمدل بھی تھے۔

متعدد بار انھوں نے اپنے دشمنوں کو پچھاڑ کے معاف کر دیا۔ ایک بار لڑائی میں دشمن جب زمین پر گرا تو ننگا ہو گیا۔ آپ نے اسے وہیں چھوڑ دیا۔ دوسری دفعہ آپ ایک نامور پہلوان سے برسرِ آزما تھے۔ آپ نے اسے جب پچھاڑا تو اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ فی الفور اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ پہلوان کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ سمجھتا تھا کہ آپ اسے قتل کر دیں گے۔ یوں چھوڑ دینے کا سبب اس نے حضرت علی سے دریافت کیا۔ آپ نے کہا کہ میں نے خدا کی راہ میں جنگ کی تھی۔ لیکن جب تم زیر ہو گئے اور تم نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اور اس کے بعد اگر میں تمہارا سر قلم کرتا تو اس میں میرے نفس کی خواہش شامل ہوتی۔ اس لئے میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ تم اگر چاہو تو میں تم سے خدا کی راہ میں دوبارہ لڑنے کو تیار ہوں۔ اُس پہلوان پر حضرت علی کی بات کا بڑا اثر ہوا، اور وہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت علی نے اپنے لواحقین کو اپنے قاتل ابن ملجم کے ساتھ جس نے آپ کو مسجد کوفہ میں زخمی کر دیا تھا، بہت اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی اور اپنے سامنے اسے پانی پلوایا۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی کے دورِ خلافت میں بڑے انتشار کا دور دورہ رہا۔ بنو امیہ کے سربرآوردہ افراد کی ریشہ دوانیوں نے جو حضرت عثمان ایسے نیک دل خلیفہ کے زمانے میں اقتدار کے مختلف شعبوں پر فائز ہو گئے تھے۔ حضرت علی ایسے جامع الصفات اور عظیم خلیفہ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ایک ایسا عظیم انسان جس کی پرورش آں حضرت کے زیرِ سایہ ہوئی ہو، جو آپ کی چہیتی بیٹی فاطمہ کا شوہر اور آپ کے عظیم نواسوں امام حسن اور حسین

کا باپ جو شیر خدا اور باب العلم ہو، جسے آں حضرتؐ کا میر منشی اور خلفائے راشدین کے مشیر اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل رہا ہو۔ جو علوم ظاہری اور باطنی، فہم و ذکا۔ جود و سخا۔ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ ترین مدارج کو طے کر چکا ہو ایسے شخص کو جب زمام خلافت ملی تو اگر اسے چین سے بیٹھنے دیا جاتا تو وہ دنیائے اسلام کو کہاں پہنچا دیتا۔ اور اور اسلام کو وہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا جسے ہم آج دیکھ رہے ہیں۔ خلافت راشدہ کی جگہ بنو امیہ کی ملوکیت دنیائے اسلام میں قائم نہ ہو سکتی تھی۔

درحقیقت حضرت عثمان کی شہادت کا بہانہ بنا کر بنو امیہ کے سربرآوردہ افراد نے بڑی چالاکی کے ساتھ دنیائے اسلام میں سورش بپا کی اور نیکدل مسلمانوں کو بھی گمراہ کیا۔ بنو امیہ کو امیر معاویہ اور عمرو بن عاص ایسے چالاک اور زیرک سیاست دانوں کی حمایت حاصل تھی جنھوں نے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا اور جو جنگ جمل اور جنگ صفین ایسی خونریز جنگوں کا باعث ہوئے جس میں سینکڑوں صحابہ کرام اور ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ حضرت علی نے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونے سے روکنے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن سازشیوں نے اس کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں اگرچہ حضرت علی کا پلہ بھاری رہا، اور ان کے مخالفین کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جنگ صفین میں عمرو بن عاص کی ایک چال سے حضرت علی کی جیتی ہوئی بازی بے نتیجہ ہو کر رہ گئی۔ جنگ صفین میں جب امیر معاویہ کی فوجوں کی شکست یقینی ہو گئی تو عمرو بن عاص نے شامی فوجوں کو اپنے نیزوں پر قرآن بلند کر کے امان طلب کرنے کا مشورہ دیا۔ قرآن

جب بلند ہوا تو حضرت علی کی فوج نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ دونوں جانب سے فیصلہ کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے۔ حضرت علی کی جانب سے حضرت موسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو بن عاص مقرر ہوئے۔ عمرو بن عاص بہت چالاک انسان تھے انھوں نے حضرت موسیٰ اشعری کو دھوکہ دے کر حضرت علی کو معزول کرنے کا اعلان کرا دیا اور خود امیر معاویہ کو ان کی جگہ خلیفہ مقرر کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح یہ تنازعہ طے ہونے کے بجائے زور پکڑتا گیا اور خلافت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

بنو امیہ کی ریشہ دوانیوں سے حضرت علی بہت دل برداشتہ ہو گئے اسی دوران میں خارجیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جو اسلام ہی سے بغاوت پر آمادہ تھی۔ اس نے عرب میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ حضرت علی کی باقیماندہ زندگی ان کی بیخ کنی میں صرف ہوئی۔ آخر کار ایک صبح کو مسجد کوفہ میں جب وہ امامت کر رہے تھے تو ایک خارجی ابن ملجم نے آپ پر زہریلے خنجر سے وار کیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ ابن ملجم سے اچھا سلوک کریں۔ اس طرح ۶۳ سال کی عمر میں چار سال نو ماہ خلافت کرنے کے بعد دنیائے اسلام کا یہ عظیم اور جامع الصفات فرزند اپنے معبود حقیقی سے جا ملا۔

کرنل اڈیسرن کے قول کے مطابق:

"حلیم۔ فیاض۔ ہمدرد۔ کمزور اور ضعیف کا ملجا۔ مظلوم کا ماویٰ۔ اس نے ساری زندگی اسلام اور اس کے فرزندوں کی خدمت کے لئے وقف کر دی اگر اس کی ذات میں حضرت

عمرؓ جیسی سخت گیری ہوتی تو وہ عرب جیسی منہ زور قوم پر حکومت کامیابی سے کرتے ۔ مگر ان کے تحمل اور بردباری ۔ ہمدردی اور سچائی کو دشمنوں نے اپنی کامیابی کا آلہ بنایا ۔ ان کی شجاعت نے انھیں اسد اللہ اور ان کے علم نے انھیں باب العلم کا لقب دلایا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص

حضرت سعد بن ابی وقاص کو جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ عراق اور ایران کے فاتح ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کے بہت قریبی اور معتمد اصحاب میں سے تھے جنھوں نے سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا وہ ایک پیدائشی جنرل تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے آں حضرتؐ کی زندگی میں ہونے والی غزوات میں نمایاں حصہ لیا۔ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں انھوں نے اپنی سپہ گری کے جوہر دکھائے تھے، ان غزوات میں حضرت علی اور حضرت امیر حمزہ کے دوش بدوش انھوں نے کفار قریش کی صفوں کو درہم برہم کر دیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے آں حضرت کے زمانے میں دیگر غزوات میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم کے عہد خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید کو عراق سے رومیوں کے مقابلہ کے لئے شام بھیج دیا گیا تو عراق میں حیرہ کے مقام پر اسلامی فوج کی کمان مثنیٰ کے سپرد ہوئی۔ ایران کی زبردست

افواج کے مقابلے کے لیے مثنیٰ نے مدینہ سے کمک طلب کی خلیفہ دوم بذاتِ خود اسلامی افواج کی کمان کے لئے عراق جانا چاہتے تھے۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی، جس کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت عمرفاروقؓ عراق کی جانب کوچ کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا، اور اس جہاد میں حصّہ لینے کے لئے اہلِ مدینہ بیتاب تھے۔ لیکن صحابہ نے حضرت عمرفاروقؓ کو عراق جانے سے منع کیا اور کہا کہ خلیفہ کو صدر مقام (مدینہ) سے باہر نہیں جانا چاہیئے۔ آخر کار حضرت سعد بن ابی وقاص کو عراق میں اسلامی فوج کی کمان سونپی گئی جو فی الفور عراق کی جانب روانہ ہوگئے۔ ایرانیوں کے خلاف عراق میں مسلمانوں کی جنگ میں خلیفہ دوم کو بڑی دلچسپی تھی۔ اس کی منصوبہ بندی خود انھیں نے کی تھی اور وہ برابر ہدایات بھیجتے رہتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص جو ایک برگزیدہ صحابی تھے مسلمانوں میں بہت ہردلعزیز تھے۔ وہ بیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل فوج لے کر ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ ان کی فوج میں چار سو صحابہ اور سات سو تابعین تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اسلامی فوج کو لے کر قادسیہ کی جانب بڑھے جہاں ایرانیوں کی زبردست فوج جس کی کمان ایران کے مشہور بہادر رستم کے ہاتھ میں تھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ یہاں ۶۳۷ء کے موسم گرما میں ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان وہ تاریخی لڑائی لڑی گئی جو کئی دن تک جاری رہی اور جس نے ایرانیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

اس میں مسلمان بہادروں نے سپہ گری کے وہ جوہر دکھائے جس نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جو خود صاحب فراش تھے۔

بذاتِ خود لڑائی میں حصہ نہ لے سکے۔ لیکن انھوں نے اپنا خیمہ ایک بلند مقام پر لگا رکھا تھا اور بستر علالت سے برابر مسلمانوں کو ہدایات بھیجتے رہتے تھے۔ اس طرح ساری جنگ ان کی ہدایات کے مطابق لڑی گئی۔

مسلمانوں کو زندگی میں پہلی مرتبہ جنگی ہاتھیوں سے اس جنگ میں سابقہ پڑا، جو بڑی تعداد میں ایرانی فوج میں موجود تھے۔ ان سیاہ ہاتھیوں کو دیکھ کر عربی گھوڑے بدکنا شروع ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی ہاتھی اسلامی فوج کو روندر ڈالیں گے۔ مسلمانوں کا سخت جانی نقصان ہو رہا تھا۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر حضرت سعد نے حکم دیا کہ نیزوں سے ہاتھیوں پر حملہ کیا جائے۔ عرب نیزہ بازوں نے ایرانی ہاتھیوں پر اپنے نیزوں سے سخت حملہ کیا، ان کا منہ موڑ دیا اور انھیں فرار ہونے پر مجبور کیا۔ یہ ہاتھی اپنی ہی فوج کو روندتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مشہور عرب بہادر قعقاع بن عمرو جنگ کے دوران یکایک نمودار ہوئے۔ ایرانیوں کی صفیں الٹ دیں۔ اور دو مشہور ایرانی بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی لڑائی میں متعدد ایرانی بہادر مارے گئے۔

جس وقت جنگ قادسیہ اپنے شباب پر تھی اور میدان جنگ نعرہ تکبیر سے گونج رہا تھا شہرہ آفاق عرب بہادر اور شاعر ابو محجن شراب پینے کی وجہ سے پابہ زنجیر تھے۔ وہ جنگ میں حصہ لینے کے لئے انتہائی بے چین تھے۔ انھوں نے سپہ سالار (حضرت سعد بن ابی وقاص) کی زوجہ محترمہ سے استدعا کہ انھیں جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی جائے اور ان کی بیڑی کھول دی جائے، اور اگر زندہ بچ گئے تو واپس آکر بیڑی پہن لیں گے۔ سپہ سالار کی بیوی اس بات پر

رضامند ہو گئیں۔ اور انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کا گھوڑا ابو محجن کے حوالہ کر دیا۔ یکایک لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ ایک غیر معروف بہادر نے ایرانیوں پر انتہائی شدید حملہ کیا اور دور تک مارتا کاٹتا ایرانی صفوں میں گھستا چلا گیا۔ اس نے ایرانیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ جب شام ہوئی تو ابو محجن نے واپس آ کر بیڑیاں پہن لیں۔ لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص نے ابو محجن ایسے بہادر کو معاف کر دیا۔ اور ابو محجن نے ہمیشہ کے لئے شراب سے توبہ کر لی۔

قادسیہ کی جنگ کے آخری دن ایرانی دوبارہ بھاری تعداد میں جنگی ہاتھی لے آئے۔ ان جنگی ہاتھیوں کے آگے آگے ایک عظیم الجثہ سفید ہاتھی تھا۔ مشہور بہادر قعقاع نے اس سفید ہاتھی پر حملہ کیا۔ اپنا نیزہ اس کی آنکھ میں گھونپ دیا۔ اور اپنی تلوار سے اس کا سونڈ کاٹ ڈالا۔ سفید ہاتھی درد سے بلبلا اٹھا، اور چنگھاڑتا ہوا پلٹا اور اپنی صفوں کو روندتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ دوسرے ہاتھی بھی اس کے پیچھے پیچھے اپنی صفوں کو روندتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانیوں پر سخت حملہ کیا جس سے ایرانی فوج کے جو مسلمانوں کی فوج سے کئی گنا بڑی اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس تھی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہوئی۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار رستم بھاگ کھڑا ہوا اور ایک نہر کو عبور کرتے ہوئے مارا گیا۔ ایرانی فوج کو اس جنگ میں سخت جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کا سپہ سالار اور متعدد بہادر کھیت رہے۔ باقیماندہ ہزیمت خوردہ ایرانی فوج شمال کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس طرح جنگ قادسیہ نے ایران کی قسمت کا تقریباً فیصلہ کر دیا۔

پورا عراق اب حضرت سعد کے زیرنگیں تھا۔

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق قادسیہ کی جنگ کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے بہت فکرمند تھے۔ وہ روزانہ مدینہ سے باہر قادسیہ سے آنے والے پیغامبر کا انتظار کیا کرتے تھے۔ ایک دن آخر کار انھیں ایک شتر سوار نظر آیا جو عراق کی جانب سے تیزی سے مدینہ کی جانب چلا آرہا تھا۔ یہ درحقیقت وہی قاصد تھا جس کا خلیفۂ دوم کو انتظار تھا اور جنگ قادسیہ کی فتح کی خوش خبری لایا تھا۔ حضرت عمر نے اپنی شخصیت کو ظاہر نہیں کیا اور اونٹ سوار کے ساتھ مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسجد نبوی میں جا کر سب مسلمانوں کے سامنے قاصد نے فتح کی خوشخبری سنائی۔ قاصد نے بڑے تعجب اور شرمندگی سے کہا۔ "امیرالمومنین آپ نے مجھ سے پہلے یہ خبر کیوں نہ پوچھی"۔ فاروق اعظم نے جواب دیا کہ "اس طرح جملہ مسلمانوں کو یہ خبر سننے میں میری وجہ سے تاخیر ہوتی"۔

عراق کے متعدد شہروں کو فتح کرتے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاص بابل پہنچے، جہاں ایرانی بہادر فیروزاں۔ ہرمزاں اور مہران نے بچی کھچی ایرانی افواج کو جمع کر رکھا تھا جو حضرت سعد کے ایک ہی حملے کی تاب نہ لا سکیں اور بھاگ کھڑی ہوئیں۔ مہران مدائن کی جانب بھاگ گیا۔ ہرمزاں اہواز کی جانب بچ کر نکل گیا۔ اور فیروزاں نہاوند کی جانب کھسک گیا۔ نوجوان ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا مستقر مدائن جہاں مہران نے ایک بڑی فوج جمع کر رکھی تھی، اب شدید خطرے میں تھا۔

مدائن دریائے فرات پر واقع تھا۔ یہ دریا مسلمانوں اور ایرانیوں کی

فوجوں کے درمیان حائل تھا۔ دریا کے قریب پہنچنے کے بعد مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے دریا عبور کرنے کا پُل اڑا دیا۔ کسی قسم کا پس وپیش کیے بغیر حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، ان کے پیچھے پیچھے دیگر مسلمان سواروں نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور آناً فاناً میں دریا عبور کر لیا۔ دریا عبور کرنے میں انھوں نے اپنی ترتیب قائم رکھی۔ ایرانیوں نے جو یہ منظر دیکھا جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے تو چلا اٹھے "دیو آ گئے ہیں" اور خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایرانی شہنشاہ بھی بہت تیزی سے رفو چکر ہو گیا اور اپنا صدر مقام۔ اس کے محل اور سارا ساز وسامان عربوں کے لئے چھوڑ دیا۔ مدائن میں بے انتہا دولت اور مال غنیمت عربوں کے ہاتھ آیا۔

مدائن کی فتح کے بعد دریائے فرات کے مشرق کا سارا علاقہ عربوں کے زیر نگیں آگیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کسریٰ کے محل میں نماز شکرانہ ادا کی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کے فوجی اور انتظامی والی (گورنر) مقرر ہوئے، مدائن کو اپنا مستقر بنایا۔ انھوں نے مفتوحہ علاقوں کا بہت اچھا انتظام کیا اور پورے ملک میں خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا۔ ایرانی شہنشاہ نے مدائن کو فتح کرنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔ اس نے ایک بڑی فوج اِسی مقصد کے لئے روانہ کی، جسے عربوں نے پسپا کر دیا۔ ایرانیوں کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ شہرہ آفاق مورخ طبری کے قول کے مطابق ایک لاکھ سے زاید ایرانی اس لڑائی میں مارے گئے۔ جلولہ کی جنگ کا مال غنیمت جب مدینہ پہنچا تو خلیفہ دوم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو

آپ نے جواب دیا "اس دولت میں مسلمانوں کی بربادی دیکھ رہا ہوں۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص کی ولایت (گورنری) کے دوران کوفہ میں عربوں کی چھاؤنی اور نو آبادی کی بنیاد رکھی گئی، جو جلد ہی عربوں کی ایک اہم بستی بن گیا۔ حضرت سعد نے اس شہر کو ترقی دینے میں نمایاں حصّہ لیا۔ ان کی زندگی ہی میں یہ ایک فوجی مرکز اور خوش حال شہر بن گیا تھا۔ حضرت سعد کوفہ کے پہلے والی (گورنر) مقرر ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اسلام کے ابتدائی عہد کی اہم شخصیتوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ پیغمبر اسلام کے انتہائی مقرب صحابہ میں سے تھے۔

ستر سال کی عمر میں آپ نے ۵۰ھ ہجری مطابق ۶۷۰ء میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت کے ابتدائی زمانے میں خانہ بدوش عربوں کی غیر تربیت یافتہ فوجیں اس زمانے کی دو عظیم ترین سلطنتوں سے بنرد آزما تھیں اسلامی فوجیں عراق میں ایران کے طاقتور شہنشاہ کسریٰ کی فوجوں کا مقابلہ کر رہی تھیں جبکہ شام میں وہ روم کے زبردست شہنشاہ ہرقل کی فوجوں سے بنرد آزما تھیں۔

شام کے ایک محاذ پر رومیوں اور عربوں میں سارے دن گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ شام ہوئی تو ایک دلیر عرب کھڑا ہوا۔ اور اس نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا: "بھائیو! خدا ہمارے ساتھ ہے، ہم دنیا میں قانون۔ انصاف اور مساوات کو قائم کرنے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ کل میں رومی فوج کو ایک سبق دینا چاہتا ہوں۔"

"کیسا سبق؟" ایک شخص نے دریافت کیا۔

"میں جبلہ بن غسان کی ساٹھ ہزار فوج کا مقابلہ صرف تیس مسلمانوں سے

کرنا چاہتا ہوں"۔

"ابوسلیمان کیا آپ سنجیدہ ہیں؟" ابوسفیان نے دریافت کیا۔

"جی ہاں بالکل سنجیدہ" حضرت خالد بن ولید نے جن کی کنیت ابوسلیمان تھی، جواب دیا۔

"میرے خیال میں آپ نے اپنی طاقت پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اس طرح آپ مسلمانوں کی جانوں کو خطرے میں ڈالیں گے۔" ابوسفیان نے دوبارہ کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ بلکہ میں تو مسلمانوں کی قیمتی جانوں کو اس طرح بچانا چاہتا ہوں اس طرح میں دشمن پر جس کو اپنی طاقت اور ساز و سامان پر بڑا گھمنڈ ہے ہیبت بٹھا سکوں گا۔" خالد بن ولید نے جواب دیا۔

آخر کار اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ نے یہ فیصلہ کیا کہ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید صرف ساٹھ مسلمانوں کے ساتھ جبلہ ابن غسان کے ساٹھ ہزار عرب عیسائیوں کا مقابلہ کریں گے۔ دوسرے دن حضرت خالد بن ولید نے اپنے انسٹھ ساتھیوں کے ساتھ جبلہ بن غسان کی ساٹھ ہزار فوج کے خلاف ایک یادگار جنگ لڑی جو دنیا کی عسکری تاریخ میں بے مثال ہے۔ یہ لڑائی دن بھر جاری رہی اور ساٹھ مسلمان بہادر دشمن کے ساٹھ ہزار فوج کے سمندر میں روپوش ہو گئے اور انھوں نے شیروں کی طرح عیسائیوں کے یلغار کا مقابلہ کیا۔ صرف "اللہ اکبر" کی تکبیروں سے جو کبھی کبھی وہ بلند کرتے تھے ان کے زندہ ہونے کا اندازہ ہوتا تھا۔ مسلمان تمام دن اس بے مثال جنگ کے فیصلہ کا انتظار کرتے رہے۔ آخر کار شام کے وقت سیف اللہ خالد بن ولید کے ایک زبردست حملہ سے عیسائیوں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔ عربوں کی اس

بے مثال فتح نے رومیوں پر ان کی دھاک بٹھا دی۔

ابوسلیمان حضرت خالد بن ولید قبیلہ قریش کے ایک ممتاز فرد تھے۔ ان کے والد ولید بن مغیرہ جن کا شمار قریش کے زیرک ترین اشخاص میں ہوتا تھا اپنی خطابت اور شجاعت کے لئے مشہور تھے۔ طلوع اسلام کے وقت خالد بن ولید کی عمر صرف سترہ سال تھی لیکن وہ اس کم عمری میں بھی سپہگری کے سارے فنوں سے پوری طرح واقف بلکہ اس میں ماہر ہو گئے تھے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کے عقب سے ان کے شدید حملہ نے لڑائی کا پانسا پلٹ دیا اور بڑی مشکل سے اسے روکا جا سکا۔ حضرت خالد بن ولید نے آٹھویں ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اسی سال انھوں نے اسلام کے ایک جانباز کی حیثیت سے جنگ موتہ میں حصہ لیا۔ اور اپنی بہادری اور فوجی مہارت کا سکہ دشمن کے دل پر بٹھا دیا۔ مسلمانوں کی فوج کی تعداد کل تیرہ ہزار تھی جبکہ ان کے مد مقابل رومی فوج تعداد میں ڈیڑھ لاکھ تربیت یافتہ اور ہر قسم کے فوجی سامان سے آراستہ افراد سے کم نہ تھی۔

اس جنگ میں متعدد مسلمان علمبردار شہید ہوئے۔ آخر کار اسلامی علم حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ آیا جنھوں نے بڑی بے جگری اور فنی مہارت سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں حضرت خالد کی آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔ بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے حضرت خالد بن ولید آہستہ آہستہ پیچھے ہٹے اور اپنی فوج کو دشمن کے نرغہ سے نکال لائے۔

قریش مکہ نے جب مسلمانوں سے معاہدہ شکنی کی تو آں حضرت کی سرکردگی میں اسلامی فوج مکہ میں داخل ہوئی۔ حضرت خالد بن میسرہ (داہنے بازو) کی کمان کر رہے تھے۔ اہل قریش

نے مسلمانوں سے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ آں حضرتؐ نے مسلمانوں کے جانی دشمن قریش کو یکسر معاف کردیا۔ نامور مستشرق فلیپ کے ہٹی (PHILLIP.K. HITTI) کے قول کے مطابق: "اہلِ مکہ کے ساتھ انتہائی رواداری برتی گئی۔ جس کی مثال زمانہ قدیم کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔" پیغمبر اسلام کی زندگی میں حضرت خالد بن ولید نے حنین۔ تاجران اور طائف کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔

پیغمبر اسلام کے وصال کے بعد سارے عرب پر غم والم کے بادل چھا گئے آں حضرت کی عظیم المرتبت اور مسحور کن شخصیت کے اٹھ جانے کے بعد متعدد عرب قبائل خدمت اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اور انھوں نے بغاوت کا علم بلند کردیا۔

حضرت ابوبکر صدیق جو پہلے خلیفہ ہوئے انھوں نے عرب قبائل کے خلاف انتہائی سخت گیر پالیسی اختیار کی۔ اسلام اور آں حضرتؐ کے اصولوں سے وہ ایک نقطہ بھی انحراف کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اسلام کے ان باغیوں کے خلاف انھوں نے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں فوج روانہ کی جنھوں نے چھ ماہ کے قلیل عرصے میں باغی قبائل کو پے در پے شکست دے کر انھیں اطاعت پر مجبور کردیا، اپنے وصال سے قبل پیغمبر اسلام نے حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں مسلمانوں کی ایک فوج رومیوں کے خلاف بھیجنے کا انتظام کیا تھا۔ حضرت ابوبکر جب خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کے مشیروں نے انھیں مشورہ دیا کہ ایسے وقت میں جب سارے عرب میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں رومیوں کے خلاف اسلامی فوج نہ روانہ کریں۔ لیکن دیندار خلیفہ نے اپنے برگزیدہ ساتھی (پیغمبر اسلامؐ) کے فیصلے سے ایک لمحہ کے لئے بھی انحراف گوارا نہ کیا اور جلد از جلد مسلمانوں کی فوج

حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں رومیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ اس واقعہ سے باغیوں کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی جس نے بغاوت کی آگ کو پھیلنے سے روکنے میں بڑی مدد دی۔

سیف اللہ حضرت خالد بن ولید نے عرب قبائل کی بغاوت کو فرو کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بڑے بڑے باغی سردار طلحہ، مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ملک بن نوارا کو یکے بعد دیگرے حضرت خالد بن ولید نے شکست فاش دی دی۔ مسیلمہ کذاب چالیس ہزار عربوں کا لشکر جرار لے کر حضرت خالد بن ولید کے مقابلے کے لئے نکلا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا جس میں مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ اور اس کی شکست نے سارے عرب میں اسلامی پرچم کو ایک بار پھر سربلند کر دیا۔

رومیوں اور ساسانیوں کی عظیم سلطنتیں جنھوں نے ہمیشہ عربوں کو حقیر اور ذلیل تصور کر کے قابل اعتنا نہ سمجھا تھا۔ عربوں کے اتحاد اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پریشان ہونے لگیں۔ عراق میں بسنے والے شمالی عربی قبائل میں جو ساسانی حکومت کے باجگزار تھے جب اسلام کی روشنی پھیلی تو ایرانیوں کو یہ بات بہت ناگوار گزاری اور انھوں نے عربی قبائل کو اسلام سے بغاوت پر اکسایا۔ ایرانیوں کی ان حرکتوں کے تدارک کے لئے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق نے ۱۲ محرم ۱۲ھ ہجری کو حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا مقابلہ ہرمز سے ہوا جو عراقی ڈیلٹائی علاقہ میں حکومت کرتا تھا اور اپنی عرب رعایا پر بڑے مظالم روا رکھتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ مثنیٰ کو ہراول

کی کمان دے کر آگے روانہ کیا۔ اس کے پیچھے پیچھے فوج کا دوسرا حصہ عدی بن حاتم کی سرکردگی میں آگے بڑھا اور عقب میں فوج کے تیسرے حصہ کی کمان حضرت خالد نے اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ آخر کار" ہرمز نے حضرت خالد بن ولید سے مبارز طلبی کی۔ اور مکاری سے ایک منتخب دستے کو قریب ہی چھپا دیا۔ لیکن حضرت خالد بن ولید نے ایک ہی وار میں ہرمز کا کام تمام کر دیا۔ مسلمان یہ دیکھ کر حملہ آور ہوئے اور دشمن سخت جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہوا۔ مسلمان اسے دریائے فرات تک ڈھکیلتے ہوئے لے گئے"۔ اس لڑائی کو "ذات السلاسل" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایرانی فوجیوں کو ایک دوسرے سے زنجیروں سے باندھ دیا گیا تھا تاکہ وہ میدان جنگ سے فرار نہ ہو سکیں۔

نہر دجلہ کے قریب مثنیٰ کی زیر کمان مسلمانوں کے ایک گشتی دستے کا مقابلہ ایرانیوں کی ایک بڑی فوج سے ہو گیا، جو ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تھی۔ مسلمانوں کا پلہ ہلکا پڑ رہا تھا یکایک حضرت خالد بن ولید کا ادھر گزر ہوا انھوں نے ایرانیوں پر سخت حملہ کر کے انھیں پسپا کر دیا۔ ایرانیوں کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ ہزاروں ایرانی مارے گئے۔ اور نہر میں غرق ہو گئے۔

ایران کی زبردست فوجوں کے مقابلہ میں مٹھی بھر مسلمانوں کی فتوحات نے ساسانی دربار کو سراسیمہ کر دیا۔ ساسانی شہنشاہ نے وفادار عرب عیسائیوں کی ایک بڑی فوج تیار کی اور نامور ایرانی جنرل بہمن کی سرکردگی میں اسے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اپریل ۶۳۳ء میں دریائے دجلہ اور فرات کے سنگم کے قریب والاجا کے مقام پر دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت خالد نے اسلامی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

انھوں نے اپنے ہراول دستہ کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور باقی فوج عقب سے دشمن پر حملہ آور ہوئی۔ حضرت خالد کی ماہرانہ فوجی چال نے دشمن کو سراسیمہ کر دیا اور بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر وہ فرار پر مجبور ہوا۔

اس شکست سے خانہ بدوش عرب عیسائی قبائل میں سخت اشتعال پیدا ہوا، انھوں نے ساسانی شہنشاہ اردشیر سے اس شکست کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ ساسانی شہنشاہ عیسائی عربوں اور ایرانیوں پر مشتمل ایک بڑی فوج ایران کے نامور بہادر جاپان کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ مئی ۶۳۳ء میں ادلس کے مقام پر مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت خالد نے جب جنگ کی خبر سنی تو عقب کی حفاظت کے لئے دستہ چھوڑ کر وہ سرعت کے ساتھ آگے بڑھے۔ گھمسان کا رن پڑا اور لڑائی کا پلہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر جھکتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ آخر کار حضرت خالد بن ولید کے ایک سخت حملہ نے ایرانیوں کے پیر اکھاڑ دیئے اور ستر ہزار کشتوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت خالد نے اس جنگ میں ایک ایسے ایرانی بہادر کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

پے در پے شکست کھانے کے بعد ایرانیوں کی ہمت جواب دے چکی تھی لیکن عیسائی اب بھی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایرانیوں کو آمادہ کر رہے تھے حضرت خالد نے حیرہ کے نواح میں ایک اور ایرانی شہر پر قبضہ کر لیا۔ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق کو جب عراق میں مسلمانوں کی فتوحات کی خبر ہوئی تو وہ خوشی سے حاضرین سے مخاطب ہوئے: "اے قریش تمھارے شیر نے جو اسلام کا شیر ہے ایرانی شیر کو مغلوب کر لیا ہے۔ کوئی عورت کسی دوسرے خالد کو جنم نہیں دے گی۔"

حضرت خالد ایک گشتی دستے کو لے کر سرعت کے ساتھ نہر کی جانب روانہ ہوئے، جہاں ایرانیوں کی کشتیاں جمع ہو رہی تھیں۔ حیرہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ آخر کار اہالیان حیرہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور ۶۳۳ء میں ان سے ایک معاہدہ ہو گیا جس کی خلیفہ نے توثیق کر دی۔ مسلمانوں نے حیرہ کو اپنا مستقر بنایا۔ اطراف و جوانب کے مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں نے زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ جس سے اس علاقہ کے مزارعین میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا اور انھوں نے ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمان فاتحین کو اپنا نجات دہندہ تصور کیا۔

مسلمانوں نے بعدازاں بابل سے اسی میل شمال مغرب میں دریائے فرات کے کنارے عنبر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت خالد اب شام اور عراق کی سرحد پر واقع شہر الفراد کے نواح میں پہنچے۔ اس شہر پر رومیوں کا قبضہ تھا جو مسلمانوں کے خلاف ایرانیوں اور عرب عیسائیوں کی امداد کر رہے تھے۔ ایک ہیبت ناک اور سخت لڑائی کے بعد جس میں ایک لاکھ رومی کام آئے۔ حضرت خالد نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔

مسلمانوں کی پے در پے فتوحات نے حضرت خالد بن ولید کی دھاک ایرانیوں پر بٹھا دی جنھیں دشمن ناقابل شکست تصور کرنے لگے۔ عراق میں حضرت خالد بن ولید نے چودہ ماہ قیام کیا۔ اور اسی دوران میں ایرانیوں کے خلاف پندرہ لڑائیاں لڑیں جن میں ایرانی تعداد اور سامانِ حرب میں عربوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ باشندگان عرب جو ابھی تک ایرانیوں کو اپنے سے کہیں برتر سمجھتے تھے اپنی حقیقت سے آگاہ ہوئے اور ان میں احساس کمتری کی جگہ خود اعتمادی پیدا ہو گئی۔

ایرانیوں کے خلاف حضرت خالد بن ولید کی حیرت انگیز فتوحات نے ساسانی سلطنت کو تہہ وبالا کر دیا۔ یہ فتوحات دنیا کی عظیم ترین فتوحات میں شمار کی جاتی ہیں جنھوں نے عالمی تاریخ میں حضرت خالد کو دنیا کے عظیم ترین فاتحین کی صف میں ممتاز جگہ دی ہے۔ حضرت خالد نے میدان جنگ میں نہ صرف انتہائی بہادری بلکہ متعدد فنی ماہرانہ فوجی چالوں کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے ایک جنگ کے نازک اوقات میں مختص فوج (RESERVE) سے حملہ کرنا تھا۔ حضرت خالد ایک عظیم جنرل ہی نہیں بلکہ تجربہ کار منتظم بھی تھے۔ انھوں نے عراق کے مفتوحہ علاقوں میں جو اصلاحات نافذ کیں اس سے عوام میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا جس سے انھوں نے ان علاقوں کے باشندوں کے دل موہ لئے۔

الفراد کے مقام پر رومیوں اور عیسائی عربوں کی متحدہ افواج کو جنوری ۶۳۴ء میں شکست فاش دینے کے بعد حج کا مہینہ آگیا حضرت خالد بن ولید خفیہ طور سے حج کے فرائض ادا کرنے مکہ روانہ ہو گئے۔ سر ولیم میور اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "خلافت اس کا عروج اور زوال" میں رقم طراز ہیں:

"مکہ میں حج کا زمانہ آگیا تھا۔ خالد نے اس طرح خفیہ طور پر حج کے فرائض ادا کرنے کی منصوبہ بندی کی کہ ان کے سردار (خلیفہ) کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔ انھوں نے میدان جنگ میں جہاں انھوں نے بہترین جنگ کی تھی دس دن تک فوج بھرتی کرنے کے بعد اپنی فوج کو حیرہ کی جانب آہستہ آہستہ کوچ کرنے کا حکم دیا۔ افواج کو یہ خیال تھا کہ وہ پیچھے آرہے ہیں لیکن کسی رہبر یا محافظ کو ساتھ لئے بغیر وہ اپنے متبرک

سفر کو مکہ روانہ ہو گئے اور انھوں نے ریگستان کو انتہائی تیز رفتاری سے عبور کیا۔ مکہ میں حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد مکہ سے وہ اسی سرعت کے ساتھ واپس ہوئے اور موسم بہار میں حیرہ میں ایسے وقت میں پہنچے جبکہ اسلامی فوج کا پچھلا دستہ شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ ان کا سفر اتنا خفیہ تھا کہ اسلامی فوج نے سمجھا کہ وہ انفرادی آہستہ آہستہ حیرہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ خود حضرت ابوبکر جنھوں نے نے حج کی نمازوں کی امامت کی تھی اپنے عظیم سپہ سالار کی موجودگی سے بے خبر رہے۔"

پیغمبر اسلام کی حیات مبارک ہی میں مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں تھیں اور شام کی سرحد پر ان کی فوجیں مسلمانوں پر حملے کرتی رہتی تھی۔ رومیوں نے متعدد بار شام کی سرحد پر عربوں کے قافلوں اور بستیوں پر حملے کرکے لوٹ مار کی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق نے شام کی سرحد پر رومیوں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں اور شرارتوں کے پیش نظر اسلامی علاقوں کو ان سے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے شام کے محاذ کے لیے مسلمانوں کو بھرتی کرنے کا اعلان کیا۔ خلیفہ کے اعلان کے جواب میں ایک ہزار صحابہ کرام نے شام کے محاذ پر رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ ان میں سے سو سے زیادہ ایسے صحابہ تھے جنھوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ خلیفہ اوّل خود اس متبرک قافلہ کو الوداع کہنے کے لئے جرف کے مقام تک گئے۔ اور ان سے یوں مخاطب ہوئے: "لوگو! مجھے آپ لوگوں کو دس احکام دینے ہیں جس کی آپ پابندی کرینگے کسی کو دھوکا نہ دیں اور نہ کسی کی چوری کریں۔ کسی سے عہد خلافی نہ کریں اور کسی کو ذلیل

نہ کریں۔ کسی بچے۔ عورت یا ضعیف شخص کو ہلاک نہ کریں۔ کھجور کے درختوں کے چھال نہ نکالیں۔ نہ انھیں جلائیں۔ پھل دار درختوں کو نہ کاٹیں نہ فصلوں کو تباہ کریں۔ غذا کے لئے استعمال کرنے کے علاوہ بھیڑوں، مویشیوں اور اونٹوں کو ہلاک نہ کریں۔ آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو حجروں میں رہتے ہیں۔ انھیں ان کی عبادت کرنے کے لئے چھوڑ دیں اور باز پرس نہ کریں۔" قافلہ کے سردار کو زیادہ عمومی ہدایتیں دی گئی تھیں: "جن علاقوں پر حملہ کیا جائے ان کے عوام سے اچھی حکومت کا وعدہ کیا جائے اور اس عہد کی سختی سے پابندی کی جائے۔ لیکن زیادہ عرصہ تک قیام نہ کیا جائے اور ہمیشہ صاف گوئی سے کام لیا جائے۔ سفیروں کی عزت کی جائے۔ لیکن انھیں اپنے پاس اتنے دنوں نہ ٹھہرایا جائے کہ وہ مخبر بن جائیں جہاں ضروری ہو وہاں رازداری سے کام لیا جائے۔ رات اور دن سرحدی چوکیوں کا دورہ کیا جائے اور اس معاملے میں تساہلی نہ برتی جائے۔" (خلافت۔ اس کا عروج و زوال۔ مصنفہ سر ولیم میور)۔

شام کے محاذ پر پانچ ہزار مسلمانوں کو تین دستوں میں منقسم کر کے شرجیل بن حسنہ۔ عمرو بن عاص اور یزید بن ابو سفیان کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ حضرت ابو عبیدہ جو بعد ازاں شام کی اسلامی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے ایک علیحدہ دستے کے سربراہ بنا کر روانہ کئے گئے۔ لیکن رومیوں نے دریائے یرموک میں ایک بڑی فوج جمع کر رکھی تھی جو مسلمانوں کی فوج سے دس گنی زیادہ تھی اور ہر قسم کے سامان حرب سے آراستہ تھی۔ اس فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولید کو عراق سے شام پہنچنے

کا حکم دیا۔ حضرت خالد اپنی آدھی فوج عربی جنرل مثنیٰ کی سرکردگی میں چھوڑ کر تیزی سے شام کے لئے روانہ ہوئے۔ خلیفہ اوّل نے حضرت خالد کو شام میں اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ حضرت خالد نے عراق اور شام کے درمیان واقع بے آب و گیاہ ریگستان کو جس سرعت کے ساتھ عبور کیا اس کی عالمی تاریخ حرب میں نظیر نہیں ملتی ہے انھوں نے اس ناقابل عبور صحرا کو پانچ دن میں عبور کر کے جس بلند مقام پر قیام کیا وہ اب بھی "ثنایت العقاب" کے نام سے مشہور ہے۔

شام میں اسلامی فوج کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور یہ چار اشخاص کی سربراہی میں رومیوں کے خلاف نبرد آزما تھیں۔ حضرت ابوعبیدہ کا مستقر جابیہ تھا۔ حضرت عمرو بن عاص دمشق پر حملہ کرنے والی فوج کے سربراہ تھے۔ اور شرجیل بن حسنہ شرق اردن میں نبرد آزما ہونے والی فوج کی کمان کر رہے تھے۔

خلیفہ اول کے حکم سے ساری اسلامی افواج وادئ یرموک میں رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھا ہو گئیں۔ حضرت خالد بن ولید اسی اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے۔ ان کا ایک ایسی فوج سے مقابلہ تھا جو ان سے تعداد اور طاقت میں بہت بڑھ چڑھ کر تھی۔ رومیوں کی یہ زبردست فوج دریائے یرموک کی وادی میں اس جگہ خیمہ زن ہوئی جہاں یہ دریا نصف دائرہ کی شکل بناتا ہے۔ رومیوں کو یہ اطمینان تھا کہ وہ بہت محفوظ ہیں اور ان کے تین جانب دریا ہے۔

بعد ازاں جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو وہ رومی فوج کے سامنے ایسی جگہ خیمہ زن ہوئی جس سے رومیوں کے نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ رومیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ دونوں افواج دو ماہ تک

ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ اس درمیان میں حضرت خالد بن ولید وہاں پہنچ گئے۔ مشہور اسلامی مورخ طبری کے مطابق رومیوں کی تعداد ڈھائی لاکھ سے زائد تھی جبکہ عرب مشکل سے ۴۰ ہزار تھے۔ رومی افواج کی کمان نامور رومی جنرل کر رہے تھے۔ حضرت خالد نے رومیوں کی برتری کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی فوج کو اڑتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ اور ہر دستے کی کمان کسی نہ کسی مشہور بہادر کے سپرد کی۔ ۳۰ اگست ۶۳۴ کو رومیوں نے مسلمانوں کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ ایک ہیبتناک اور خونریز مقابلہ کے بعد رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور بھاری جانی نقصان اٹھا کر وہ پسپا ہوئے نامور مورخ طبری کے مطابق سوا لاکھ رومی اس یادگار لڑائی میں مارے گئے ان میں سے ہزارہا بھاگتے ہوئے دریائے یرموک میں ڈوب کر مر گئے۔

جنگ یرموک کی فتح کے بعد شام کا رومی علاقہ مسلمانوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اس لڑائی میں حضرت خالد بن ولید نے ایسی بے مثال بہادری اور جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔ رومی شہنشاہ ہرقل اعظم کو جب رومیوں کی شکست کی خبر ہوئی تو اس نے بڑی حسرت سے یہ الفاظ ادا کئے:

"الوداع ملک شام ۔ میرے خوبصورت علاقے الوداع اب تو دشمن کی ملکیت ہے"

جنگ یرموک کے قبل ہی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی جگہ حضرت عمر فاروق خلیفہ منتخب ہوئے تھے حضرت عمر فاروق نے حضرت خالد کی جگہ شام میں حضرت ابو عبیدہ کو اسلامی افواج کا سپہ سالار

مقرر کیا۔ خلیفہ ثانی کا حکم جنگ یرموک کے دوران پہنچا، لیکن حضرت خالد بن ولید کو وہ جنگ کے اختتام پر دیا گیا۔ حضرت خالد نے ایک وفادار اور سچے مسلمان کی طرح خلیفہ دوم کے سامنے سر جھکا دیا اور ایک معمولی سپاہی کی طرح جہاد میں حصہ لینا گوارا کیا۔ اس طرح انھوں نے ایسے نظم و ضبط اور وفاداری کا مظاہرہ کیا جو ان جیسے عظیم فاتحین کی زندگی میں مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔ انھوں نے اسلام کے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے اسی جوش و خروش اور بہادری کے ساتھ شام کے باقیماندہ معرکوں میں حصہ لیا۔

حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں اسلامی افواج نے شام فلسطین عراق، ایران اور مصر کے ممالک فتح کر لئے۔ اور اسلامی پرچم بحیرہ کیسپین تک پہنچ گیا۔ دمشق کا محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا۔ ایک شب کو جب شہر میں کوئی تقریب ہو رہی تھی۔ حضرت خالد بن ولید نے اپنے چند آدمیوں کو شہر کی ایک جانب فصیل پر چڑھا دیا اور انھوں نے شہر کا دروازہ کھول کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ نعرہ کو سن کر رومیوں نے شہر کی دوسری جانب حضرت ابوعبیدہ سے صلح کر کے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابوعبیدہ کی افواج دو جانب سے شہر میں داخل ہوئیں اور درمیان میں جب ان کی ملاقات ہوئی تو رومیوں کی چال کی خبر ہوئی حضرت ابوعبیدہ چونکہ صلح کی شرائط منظور کر چکے تھے، خلیفہ ثانی نے ان کو بحال رکھا اور اس طرح مسلمانوں نے ایسی بلند اخلاقی کا ثبوت دیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔

حضرت خالد نے شام کے مختلف معرکوں کو سر کیا۔ قنسرین کی فتح میں انھوں نے

انتہائی بہادری اور فوجی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ قنصرین کی فتح کے بعد قیصر روم شام کو خیرباد کہہ کر قسطنطینیہ چلا گیا۔ قنصرین کی فتح کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کو حضرت خالد بن ولید سے متعلق اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ قبل اس کے وہ انھیں خود سر خیال کرتے تھے۔ انھوں نے تسلیم کیا: "خدا بخشے حضرت ابو بکر مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔"

عراق و شام کے ممالک میں مفتوحین کے ساتھ مسلمان فاتحین کے پسندیدہ اور خوشگوار سلوک نے ان کو مسلمانوں کا گرویدہ بنا دیا اور ان علاقوں میں مسلمانوں کے رائج کردہ سودمند اصلاحات سے خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا۔ سر ولیم میور اپنی مشہور تصنیف "خلافت اس کا عروج اور زوال" میں رقم طراز ہے:

"اگر مسلمان اہالیانِ شام کے ساتھ سختی کرتے یا ان کے مذہب پر حملہ کرتے تو شام میں صورت حال بہت نازک ہو جاتی۔ لیکن مفتوحین کے ساتھ ان کی نرمی۔ انصاف پروری اور اعلیٰ کردار نے اس علاقے میں رومیوں کے مظالم اور غیر رواداری کے مقابلے میں ایک نمایاں تضاد پیش کیا۔ عرب حملہ آوروں کے زیر حکومت ملک شام کے عیسائیوں کو اس سے کہیں زیادہ سیاسی اور شہری آزادی حاصل ہوئی جو انھیں ہرقل کے دورِ حکومت میں حاصل تھی۔ اور وہ کسی حالت میں بھی اس (رومیوں) کی حکومت میں جانے کو تیار نہ تھے۔" اس طرح مسلمانوں نے اپنے

ممالک محروسہ کے باشندوں کے دل اور جسم دونوں جیت لئے۔

حضرت خالد بن ولید کی سپہ سالاری کے عہدے سے معزولی خلیفہ ثانی کی کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے نہ تھی۔ بقول سر ولیم میور "حضرت عمر بڑی عظیم شخصیت کے حامل تھے اور ان سے کسی ذاتی رنجش یا ناپسندیدگی کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔" جس خلیفہ نے جرم کی سزا دینے میں اپنے حقیقی بیٹے کو بھی نہیں بخشا اور جس نے اپنے انتہائی پاکباز اور لائق بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کو خلافت کے لئے نامزد کردہ لوگوں میں شامل کرنا گوارا نہ کیا وہ بھلا ذاتی رنجش کی بنا پر کسی کو معزول کیسے کر سکتا تھا۔ بات اصل یہ تھی کہ حضرت خالد بن ولید کی بہادری اور سپہ گری پر مسلمانوں کو اتنا بھروسہ ہو گیا تھا، کہ خدا پر ان کا اعتقاد کمزور ہو گیا تھا۔ بعد ازاں خلیفہ ثانی نے اپنے عاملوں سے اس معزولی کی تشریح کی اور انھیں لکھا کہ حضرت خالد کی معزولی کسی خطا یا غلط فہمی کی بنا پر نہ تھی، بلکہ اس وجہ سے تھی کہ مسلمان خدا سے زیادہ حضرت خالد پر بھروسہ کرنے لگے تھے۔

مشہور مورخ طبری کے قول کے مطابق حضرت خالد بن ولید کا انتقال ۶۴۲ء میں ہوا۔

آخر کار اسلام کا وہ زبردست جنرل جس نے سینکڑوں لڑائیوں میں دشمن کو نیچا دکھایا تھا اور بلاشبہ جس کا شمار تاریخ عالم کے عظیم ترین سپہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ مرتے وقت یہ الفاظ اس کی زبان پر تھے:۔ افسوس! میں جس نے سینکڑوں لڑائیوں میں حصہ لیا اور جس کے جسم پر زخموں کے لاتعداد نشانات ہیں شہادت کی نعمت سے سرفراز نہ ہو سکا۔ ایسی

نعمت جو ایک مسلمان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔" ان کی موت کی خبر سُن کر خلیفہ ثانی نے فرمایا: "خالد کی وفات سے دنیائے اسلام میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے جسے پُر نہیں کیا جا سکتا۔"

مشہور مستشرق فلیپ کے ہٹی (PHILLIP.K. HITTI) نے اپنی تصنیف "تاریخ عرب" میں لکھا ہے:

"عراق - ایران - شام اور مصر میں خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کی فوجی مہموں کا شمار عالمی تاریخ حرب کی کامیاب ترین مہموں میں ہوتا ہے - جن کا موازنہ زیادہ بہتر طور پر نپولین - ہنی بال یا سکندر اعظم کی مہموں سے کیا جا سکتا ہے۔" (جو نپولین - ہنی بال یا سکندر اعظم کی مہموں سے بہتر تھیں)۔

حضرت ابُوعُبَیدَہ بن الجرّاحؓ

دُنیا کے بڑے بڑے فاتحین اور جرنلوں میں بہت کم ایسے گزرے ہیں جو جنگی مہارت کے ساتھ ساتھ ضابطہ اخلاق کے بھی پابند ہوں۔ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے معاملے میں بھی سربلند ہوں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ ایسے فاتحین اور جرنلوں نے فتح کے نشہ میں خدا اور اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر ایسے انسانیت سوز مظالم مخلوق خدا پر ڈھائے ہیں جن کو سن کر انسان کانپ کانپ جاتا ہے۔ اٹیلا اور چنگیز۔ ہلاکو اور تیمور۔ سکندر اور سیزر کی فتوحات ایسے انسانیت سوز مظالم سے بھری پڑی ہیں۔ دور کیوں جایئے، بیسویں صدی عیسوی میں تاریخ کے صفحات دو عظیم جنگوں اور ویت نام کی طویل جنگ کے ظلم و ستم کے بے شمار واقعات اور قتل و غارت کی صدہا داستانوں سے لالہ زار ہے۔ آج کل کی مہذب دنیا نے تباہی اور بربادی کے جو نئے ہتھیار ایجاد کئے ہیں اور ان کو مختلف جنگوں میں استعمال کیا ہے ان سے ماضی میں ظلم و ستم کے سارے واقعات ماند پڑ جاتے ہیں۔

عسکری فتوحات میں پابندی اخلاق اور رحم دلی کی جو مثالیں اسلامی فاتحین نے قائم کی ہیں اس کی نظیر عالمی تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ ان میں سب سے روشن مثال خود پیغمبر اسلام نے قائم کی۔ مسلمانوں کے ازلی دشمن قریش مکہ پر فتح پانے کے بعد فتح مکہ کے موقع پر خدا کے رسولؐ نے اپنے جانی دشمنوں کو معاف کر دیا، آپ نے فرمایا:

"آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے۔ اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

اسلام کے ابتدائی دور میں جن دلاوران اسلام نے دشمنوں کے مقابلے میں ضابطۂ اخلاق کی پابندی کی ہے۔ ان میں حضرت علیؓ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور زمانہ ما بعد میں سلطان صلاح الدین ایوبی، اورنگ زیب عالم گیر۔ احمد شاہ ابدالی اور ٹیپو سلطان خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح جن کے متعلق اسلام کے برگزیدہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا:

"ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔"

وہ انتہائی فقیر منش انسان تھے۔ شام میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار اور فاتح شام کے اعزاز سے سرفراز ہونے کے باوجود وہ ایک نہایت سادہ مزاج اور بار سا انسان تھے جو آں حضرتؐ کے صحابہ میں بلند مقام رکھتے تھے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ کا نام عامر باپ کا نام عبداللہ بن الجراح کینت ابوعبیدہ تھی۔ ۵۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے جن کو آنحضرتؐ نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔

جنگِ بدر میں تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں نے ایک ہزار مسلح دشمنوں سے جن میں کہ منتخب بہادر شامل تھے، مقابلہ کیا۔ حق و باطل کا یہ عجیب معرکہ تھا جسے چشمِ فلک نے پہلی بار دیکھا۔ باپ بیٹے کے مقابلہ میں بھائی بھائی کے مقابلہ میں چچا بھتیجے کے مقابلہ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ عبداللہ بن الجراح بھی دشمنوں کے ساتھ آیا تھا اور سامنے کھڑے ہوئے۔ اپنے بیٹے عبیدہ کو بڑی خشمگیں نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

میدان کارزار گرم ہوا تو عبداللہ نے جھپٹ کر بیٹے پر وار کیا اگر وہ پھرتی سے ہٹ نہ جاتے تو باپ کی تلوار بیٹے کی کمر توڑتی ہوئی نکل جاتی۔ ابوعبیدہ نے باپ کو اول اول بہت طرح دینی چاہی، لیکن آخر کار اسلام کی محبت، رشتہ کی محبت پر غالب آئی اور حضرت ابوعبیدہ نے ایک ہی وار میں باپ کا کام تمام کر دیا، اور ثابت کر دیا کہ اسلام کے مقابلے میں خون کا رشتہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے:

"یعنی تو نہیں دیکھے گا کہ ان لوگوں کو جو خدا اور روزِ حشر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ تعلق رکھیں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے ایمان

کو نقش کر دیا ہے۔"

جنگِ احد میں حضرت ابو عبیدہ نے عشقِ رسول کا امتحان اس طرح دیا کہ زرہ کی دو کڑیاں رسولِ خدا کے جسم میں گھس گئی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہ کڑیاں اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچیں، جس سے آپ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

جنگِ خندق میں بھی آپ شریک ہوئے۔

بنی قریظہ کی جنگ میں آں حضرت نے حضرت ابو عبیدہ کو سردار بنا کر بھیجا اور ۶۲۹ء میں قبیلہ قضاعہ کی تادیب کے لئے حضرت ابو عبیدہ کی سرکردگی میں دو سو مسلمانوں کی ایک جماعت روانہ کی جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ایسے جلیل القدر صحابہ ان کی ماتحتی میں بھیجے گئے۔

سریہ سیف البحر کی مہم بھی آپ کی سرکردگی میں ۶۲۹ء میں بھیجی گئی جنگِ حنین اور فتح مکہ میں بھی حضرت ابو عبیدہ آں حضرت کے ہم رکاب تھے۔

غرضیکہ آں حضرت کی زندگی میں حضرت ابو عبیدہ ہر جنگ اور ہر مہم میں رسولِ خدا کے ساتھ ساتھ رہے۔

آپ کے وصال کے بعد جب خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مہاجرین اور انصار میں اختلاف بڑھتا ہوا نظر آیا تو حضرت ابو عبیدہ نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے قوم انصار، تم وہ جماعت ہو جس نے سب سے پہلے اسلام کی نصرت کی۔ پس اب ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے جماعت میں اختلاف پیدا ہو۔"

حضرت ابو عبیدہ کے اس جملے سے اختلاف کے بادل چھٹ گئے۔ اس پر حضرت بشیر بن سعد انصاری کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"ابو عبیدہ تم نے سچ کہا۔ ہم تمہاری نصیحت قبول کرتے ہیں اور خلافت کے لئے اپنا حق چھوڑتے ہیں۔ ہم نے اسلام کو خلافت کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے قبول کیا تھا اور وہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے"

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ابتدائی دور خلافت میں عرب کے ہمسایہ دو طاقتور حکمرانوں قیصر و کسریٰ نے اس نوزائیدہ خلافت کو ختم کر دینے کے منصوبے تیار کئے اور اس مقصد کے تحت بڑی افواج اکٹھا کی تھیں جو ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس تھیں۔ حضرت ابوبکر نے جب قیصر و کسریٰ کے خلاف فوجیں روانہ کیں تو حضرت ابو عبیدہ کو حمص حضرت عمرؓ بن العاص کو فلسطین حضرت شرجیل کو اردن اور حضرت یزید بن ابو سفیان کو دمشق کی جانب فوجیں دیکر روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر یہ تمام افواج اتفاق سے کبھی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اس کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ ہوں گے۔

مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ عمان کے شہر آب پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے قلعہ بند ہو کر حضرت ابو عبیدہ کا مقابلہ کیا۔ آپ نے جلد ہی شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں کے شہریوں کی صلح کی درخواست قبول کر لی۔ شام کا یہ پہلا شہر تھا جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ حضرت ابو عبیدہ جب جابیہ پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ قیصر روم نے بے شمار افواج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار کر رکھی ہے۔ آپ نے

خلیفہ اول حضرت ابوبکر کو اس کی خبر دی جنھوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت خالد بن ولید کو جو عراق میں ایرانیوں کے خلاف برسرپیکار تھے رومیوں کے خلاف مہم سر کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ حضرت خالدؓ اپنی جنگی مہارت کے لئے سارے عرب میں شہرت رکھتے تھے اور انھیں سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔

رومیوں کی بے شمار افواج کی نقل و حرکت کی خبر پاتے ہی مسلمان سرداروں نے ایک دوسرے کے پاس قاصد روانہ کیا اور طے پایا کہ ساری اسلامی فوج کو رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جگہ جمع کیا جائے۔ لہٰذا چاروں اسلامی فوج کے چاروں دستے اپریل ۶۳۴ء میں دریائے یرموک کے نزدیک جولان کے مقام پر جمع ہو گئے۔

رومیوں کی زبردست فوج اس مقام پر جمع ہو گئی جہاں دریائے یرموک نصف دائرے کی شکل بناتا ہے۔ اس جگہ کو قدرتی طور پر محفوظ سمجھ کر وہ یہاں خیمہ زن ہو گئے۔ عربوں نے غنیم کی غلطی کو معلوم کر لیا۔ اور ان کی چھوٹی فوج اسی نصف دائرہ کے سامنے خیمہ زن ہو گئی۔ دونوں فوجیں دو ماہ تک ایک دوسرے کو تکتی رہیں۔ یہاں تک کہ خلیفہ اول اس شدید انتظار سے تنگ آ کر خالد بن ولید کو کالڈیا سے شام کی جانب فی الفور روانہ ہونے کا حکم دیا۔ انتہائی برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے حضرت خالد صحرا کو عبور کر کے اسلامی لشکر سے جا ملے۔ ان کی آمد کی خبر بھی رومیوں کو نہیں ہوئی۔

رومیوں کی فوج دو لاکھ چالیس ہزار تھی اور عربوں کی صرف چالیس ہزار آخر کار پادریوں کے جوش دلانے سے رومی عربوں سے مقابلہ کے لئے اپنے کیمپ سے

۲۰ اگست ۶۳۴ء کو باہر نکلے۔ اس خوفناک لڑائی میں جو جنگ یرموک کے نام سے مشہور ہے رومیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ ان کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور لاکھوں رومی دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ اب سارا جنوبی شام عربوں کے رحم و کرم پر تھا۔ ہرقل نے جب یرموک میں شکست کی خبر سنی تو جذبات سے مغلوب ہو کر چلا اٹھا: "شام کے پیارے ملک الوداع اب تو دشمنوں کی ملکیت ہے"۔

جنگِ یرموک کے قبل ہی حضرت ابوبکر انتقال کر چکے تھے اور حضرت عمر فاروق خلیفہ ہو گئے تھے۔ وہ حضرت خالدؓ کی سخت گیری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انھوں نے حضرت خالدؓ کی جگہ اسلامی لشکر کا سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ کو مقرر کیا جو بہت نیک دل اور پارسا سلیم الطبع اور دور اندیش بزرگ تھے۔ حضرت خالدؓ ایک سچے مسلمان کی طرح حضرت ابوعبیدہ کے ماتحت کام کرتے رہے اور اسلامی لشکر نے شام کے تمام شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔ دمشق۔ حمص۔ حساد قیسرین۔ حلب اور دیگر شہروں نے حضرت ابوعبیدہ کی افواج پر اپنے دروازے کھول دیئے اور اطاعت قبول کر لی۔

آخر کار حضرت ابوعبیدہ شام کے مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے انطاکیہ تک پہنچ گئے جو مشرقی قسطنطنیہ کہلاتا تھا اور مشرقی رومی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ چند دنوں کے محاصرے کے بعد انطاکیہ کے شہریوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اس طرح سارا شام حضرت ابوعبیدہ کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

بحیرۂ روم کے ساحل سے متصل کے شہر عسقلان۔ غزہ۔ رملہ۔ عکہ۔ بیروت اپامی۔ کویلا نے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

قیصر روم ہرقل نے ۶۳۸ء کے موسم بہار میں شام کو فتح کرنے کی ایک بار پھر کوشش کی اور ایک بڑا لشکر شام کی جانب روانہ کیا۔ وہ تمام شہر جنہیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا باغی ہو گئے اور انھوں نے اپنے دروازے رومیوں پر کھول دیئے عربوں سے سخت مقابلہ ہوا اگرچہ رومیوں کے مقابلہ میں عربوں کی تعداد پانچ فیصد بھی نہ تھی، لیکن جوش جہاد سے سرشار عربوں نے ہر معرکہ میں رومیوں کو نیچا دکھایا۔ ہرقل کا بیٹا جان بچا کر میدان سے بھاگ نکلا۔ اب صرف قیصریہ کا شہر رومیوں کے پاس رہ گیا تھا۔ ہرقل کے بیٹے قسطنطین کے فرار سے قیصریہ کے محافظوں، فوجیوں اور شہریوں کے دل ٹوٹ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اب شام کی فتح مکمل ہو چکی تھی اور شام و فلسطین میں رومیوں کے سات سو سالہ حکومت کے بعد یہ علاقے خلیفۃ الاسلام کے زیر نگیں آگئے۔

۶۳۹ء میں عرب اور شام میں سخت قحط اور وبائیں نمودار ہوئیں شام میں طاعون کی وبا شدت اختیار کر گئی اور بہت سے صحابہ کی قیمتی جانیں اس وبا کے نذر ہو گئیں ان میں حضرت ابو عبیدہ۔ شرجیل اور یزید بن ابو سفیان ایسے دلاورانِ اسلام شامل ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ کی جنازہ کی نماز حضرت معاذ بن جبل نے پڑھائی۔ جنازہ تیار ہو گیا تو حضرت معاذ نے فرمایا:

"ابو عبیدہ آپ پر خدا کی رحمت ہو، آپ بلا شبہ ان لوگوں میں سے تھے جو زمین پر نہایت فروتنی اور خاکساری سے چلتے ہیں خدا کو بکثرت یاد کرتے تھے اور اس کے لئے راتوں کو نمازوں میں کھڑے رہتے ہیں۔ آپ نے ساری عمر اعتدال اور میانہ روی

کے ساتھ گزار دی۔ آپ یتیموں کے نگراں اور مسکینوں پر رحم کرتے تھے۔ متکبر اور مغرور لوگوں سے آپ علیحدہ رہتے تھے اور عوام سے محبت اور نرمی سے پیش آتے تھے۔"

اسلام کی فاتح افواج کا یہ عظیم سپہ سالار انتہائی سادگی پسند اور متقی پرہیزگار تھا۔ دنیاوی نمود و نمائش سے اسے نفرت تھی۔ عراق اور شام کی فتوحات کے بعد جب مسلمانوں کے لباس و طعام میں نفاست اور لطافت پیدا ہوگئی تھی ان کے سپہ سالار نے اپنی روش نہیں بدلی۔ وہ اپنے خیمے میں انتہائی سادگی کے ساتھ رہتے تھے۔ فرش خاک پر بیٹھے رہتے تھے، اور خیمہ میں ان کا سارا ساز و سامان ایک تلوار۔ ایک ڈھال۔ ایک نیزہ اور ایک زرہ پر مشتمل تھا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو حضرت عبیدہ سے کہا آج ہم تمہارے مہمان ہوں گے۔ حضرت ابو عبیدہ نے روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے خلیفہ ثانی کے سامنے رکھ دیئے، کہنے لگے کہ یہی میری غذا ہے جس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتا ہوں۔" یہ دیکھ کر حضرت عمر ایسے جلیل القدر خلیفہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور خوش ہو کر فرمایا:

"ابو عبیدہ شام میں آکر ہر ایک نے اپنی روش بدل دی۔ صرف تم ہی ایسے ہو جو اپنی قدیم وضعداری کو نبھا رہے ہو۔"

ایک بار خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ نے چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور ہدیہ حضرت عبیدہ کے پاس بھیجے۔ آپ نے یہ ساری رقم اسی وقت فوج کے غریب آدمیوں میں تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہیں رکھا۔

حضرت عمر کو جب اس سیر چشمی کے واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

"خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں میں اپنے بھائیوں کے لیے ہمدرد بھی موجود ہیں جو اپنے اوپر اپنے غریب بھائیوں کو ترجیح دیتے ہیں"

حضرت ابو عبیدہ کے پاس غریب سے غریب آدمی کی بھی ہر وقت رسائی ہو سکتی تھی، وہ اپنے فوجیوں سے انتہائی خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے، اسی لئے ہر فوجی ان سے محبت کرتا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص رضؓ

مشہور صحابی اور عرب جنرل عمرو بن العاص نے خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم کے عہد خلافت میں مصر فتح کیا۔ انھوں نے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید کے ساتھ آٹھویں ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔

عمرو بن العاص کا شمار عرب کے نامور مدبروں اور دانشوروں میں ہوتا تھا۔ وہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر اسلام نے انھیں عمان کے ایک سیاسی مشن پر روانہ کیا۔ ان کے ہاتھ پر عمان کے حکمراں اور اس کے بھائی نے اسلام قبول کیا۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ہی کے عہد خلافت میں عراق اور شام کو جو فوجیں رومیوں کی یلغار کو روکنے کے لئے روانہ کی گئیں ان میں مختلف فوجوں کی کمان مختلف مسلمان بہادروں کو سونپی گئی تھی۔ عمرو بن العاص کو فلسطین کے محاذ پر جانے والی فوج کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا۔

انھوں نے فلسطین کو فتح کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ دریائے اردن کی مغرب جانب علاقے کو فتح کرنے کا سہرا عمرو بن العاص کے سر ہے۔ اجنادین۔ یرموک اور دمشق کی لڑائیوں میں انھوں نے بڑی دلیری اور فوجی مہارت کا مظاہرہ کیا۔

لیکن عمرو بن العاص کی اصل شہرت کا دارومدار مصر میں ان کی فتوحات پر ہے۔ انھوں نے نہ صرف مصر کو رومیوں سے آزاد کرایا بلکہ وہاں بہترین نظام قائم کیا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ جب بیت المقدس تشریف لائے تو عمرو بن العاص نے ان سے مصر فتح کرنے کی اجازت طلب کی اور یہ مہم سر کرنے کی ذمہ داری لی۔ خلیفہ دوم نے پہلے اجازت دینے میں پس و پیش کیا لیکن عمرو بن العاص نے یہ دلیل پیش کی کہ شام اور فلسطین کے مقبوضہ اسلامی ممالک کی حفاظت اسی وقت ہو سکتی ہے جب بحیرۂ روم میں اسکندریہ کے رومی بحری مستقر پر قبضہ کر لیا جائے۔ جہاں پر مقیم رومی بحری بیڑہ اسلامی ممالک کے لیے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے آخر کار عمرو بن العاص کو مصر پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔

اجازت ملنے کی دیر تھی۔ عمرو بن العاص فی الفور چار ہزار مسلمانوں کو لے کر مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ فراما کے شہر پر ہوا جو مشرقی مصر کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد فراما فتح ہو گیا۔ اسلامی فوج عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مغرب کی جانب بڑھی اور اس نے متعدد شہروں پر قبضہ کر لیا۔

مصر میں بابل (BABYLON) کا شہر اسلامی فوج کے راستہ میں حائل تھا

آگے بڑھنے کے لئے اس سدِ راہ کو دور کرنا ضروری تھا۔ عمرو بن العاص نے شہر کے باہر اپنی فوج کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور مزید کمک کا انتظار کرنے لگے۔ اسکندریہ کے لارڈ بشپ کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے ایک بڑی فوج بابل کی حفاظت کے لئے روانہ کی۔

آخر کار وہ کمک جس کا بڑا شدید انتظار تھا حضرت زبیر ابن العوام کی سرکردگی میں پہنچ گئی۔ مسلمانوں کی فوج اب بھی دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی، جبکہ عیسائیوں کی فوج میں پچیس ہزار سے زائد آدمی تھے۔

اسی دوران میں عمرو بن العاص نے آیا خمس پر حملہ کیا اور رومیوں کو شکست فاش دی۔ تھیوڈورس اسکندریہ کی جانب فرار ہوگیا۔ اور سائرس بابل میں قلعہ بند ہوگیا۔ بابل کے مستحکم قلعہ کا محاصرہ کافی عرصہ تک قائم رہا۔ یہ محاصرہ جب سات ماہ تک طول پکڑ گیا تو حضرت زبیر نے ایک تدبیر سوچی۔ انھوں نے اپنے چند رفقاء کو لے کر قلعہ سے باہر کی خندق کے ایک حصہ کو پاٹ دیا اور اس کو عبور کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ فصیل پر مقیم پہرہ داروں کو انھوں نے مغلوب کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اور اسلامی فوج نعرۂ تکبیر بلند کرتی ہوئی شہر میں داخل ہوگئی۔

دریائے نیل کے ڈیلٹا کے مشرق کا سارا علاقہ فتح کرنے کے بعد اسلامی فوجیں اسکندریہ کی جانب بڑھیں جو اس زمانہ میں قسطنطنیہ کے بعد مشرقی رومن سلطنت کا سب سے بڑا اور مستحکم ترین شہر تھا۔ یہ رومیوں کا سب سے بڑا بحری مستقر تھا۔ اس میں ڈیڑھ لاکھ سے زاید رومی فوج مقیم

تھی۔ بحری فوج اوران کے جہاز اس کے علاوہ تھے۔

اس کے برخلاف اسلامی فوج تعداد میں بہت کم تھی اوران کے پاس ضروری سامان حرب، بحری جہاز۔ اور جنگی مشینوں میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اس بے سروسامانی کے ساتھ خدائی مدد کے بھروسہ پر اسلامی فوج رومیوں سے نبرد آزما ہوئی، مسلمان بہادروں کے جذبۂ جہاد اور شوق شہادت نے آخر کار رومیوں کو فرار پر مجبور کر دیا اور اسکندریہ کے عظیم الشان قلعہ اور بندرگاہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی خدمت میں عمرو بن العاص نے مدینہ کو جو خوشخبری کا پیغام بھیجا اس کے الفاظ یہ تھے:

"میں نے ایک ایسا شہر فتح کیا جس کی تفصیل بیان کرنے سے میں احتراز کروں گا۔ بس اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس شہر میں چار ہزار شاندار عمارتوں معہ چار ہزار حمام۔ اور چار سو شاہی تفریح گاہوں پر قبضہ کر لیا ہے۔"

خلیفہ دوم نے مسجد نبوی کی ایک سادہ تقریب میں عمرو بن العاص کے قاصد کی روٹی اور کھجور سے تواضع کی۔ اور خدائے قدوس کے حضور میں سجدہ شکر بجا لائے۔ خلیفہ دوم نے قاصد سے مصر میں اسلامی فتوحات کی تفصیل معلوم کی۔ اور حاضرین کو اس سے آگاہ کیا۔

عمر بن العاص امن اور جنگ دونوں میں نامور تھے۔ وہ ایک عظیم وزیر اور نامور منتظم تھے۔ انھوں نے مصر کا انتظام بڑی خوش اسلوبی اور مہارت

کے ساتھ کیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام رقمطراز ہے:

"عمرو بن العاص کی مہارت کا اندازہ نہ صرف مصر کی فتح سے ہوتا ہے بلکہ انھوں نے اس ملک کے نظام حکومت نظام عدل اور محصولات کو بہت صحیح خطوط پر استوار کیا۔ انھوں نے ایک نئے شہر فسطاط کی بنا ڈالی اور وہاں صوبہ کا اسلامی مستقر قائم کیا۔ یہی شہر آگے چل کر خلفائے فاطمین مصر کے عہد خلافت میں القاہرہ کے نام سے از سر نو تعمیر کیا گیا"

وہ جگہ جہاں عمرو بن العاص اسلامی افواج کے ساتھ خیمہ زن ہوئے تھے الفطاط کے نام سے مشہور ہو گئی۔ جس کے معنی فوجی کیمپ کے ہیں اور اسی نام سے یہ شہر مشہور رہا۔ اسلامی افواج کی یہ چھاؤنی شام کی چھاؤنی جابیہ (GABIA) اور عراق کی چھاؤنی کوفہ کے طرز پر آباد کی گئی۔ خلفائے فاطمین مصر کے زمانے تک فسطاط مصر کے اسلامی صوبہ کا مستقر رہا۔

عمرو بن العاص کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ مکہ اور مدینہ سے مصر کے لئے ایک براہِ راست بحری راستہ کھولا۔ انھوں نے فراعنہ مصر کی نہر کو صاف کرا کے دوبارہ اسے جہاز رانی کے قابل بنایا اور اس کا نام "نہر امیر المومنین" رکھا۔ اس نہر کے ذریعہ دریائے نیل کو بحیرۂ اخضر سے ملا دیا گیا۔ اور اس طرح مصر کی زرعی اور صنعتی پیداوار بہت قلیل عرصہ میں آسانی کے ساتھ مقامات مقدسہ کو پہنچنے لگی۔

۶۴۵ء میں رومی شہنشاہ نے ایک بار پھر اسکندریہ کو حاصل

کرنے کی کوشش کی اور تین سو بحری جہازوں کے ساتھ اسکندریہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ ایک ہزار مسلمان فوجی جو اس شہر میں تعینات تھے اس کی تاب نہ لاسکے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ لیکن ایک سال ہی کے اندر عمرو بن العاص نے اس کا بدلہ لے لیا اور نکین (NiKiN) کے مقام پر رومیوں کو شکست فاش دی۔ رومی سخت جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہوئے اور اسکندریہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس کے بعد پھر کبھی رمیوں کو اسکندریہ پر قبضہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی اور یہ بندرگاہ بدستور مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔

چند متعصب عیسائی مورخوں نے حضرت عمرو بن العاص پر الزام لگایا ہے کہ انھوں نے اسکندریہ کے مشہور کتب خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ لیکن جدید تاریخی تحقیق نے اس الزام کو سراسر غلط ثابت کر دیا ہے۔ نامور مستشرق فلیپ کے ہٹی (PHILLIP HATTi) کے قول کے مطابق:

"یہ مفروضہ کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق عمرو نے اسکندریہ کے مشہور کتب خانہ کی کتابوں کو شہر کے لاتعداد حماموں کا پانی گرم کرنے کے ایندھن کے لئے استعمال کیا۔ ان قصوں میں سے ایک ہے جو تاریخ کا نہیں افسانہ کا حصہ ہو سکتے ہیں۔ اسکندریہ میں بطلیموس کے اس عظیم کتب خانہ کو ۴۸ قبل مسیح جولیس سیزر نے نذر آتش کیا تھا۔"

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے عہد خلافت

میں عمرو بن العاص نے ایک جنرل سے زیادہ ایک سیاست داں کا کردار ادا کیا۔ حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ کے تنازعہ میں انھوں نے امیر معاویہ کا ساتھ دیا۔ مصر نے امیر معاویہ کو حضرت علیؓ کا مقابلہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۶۶۳ء میں اپنے انتقال کے وقت تک وہ مصر میں امیر معاویہ کے والی (گورنر) رہے۔ انھوں نے نوے سال کی عمر پائی۔

عمرو بن العاص بلاشبہ اسلام کے ابتدائی زمانے کے بہترین فوجی اور سیاسی ماہرین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں۔ نامور مستشرق فلیپ کے ہٹی کا قول ہے:

"عراق۔ ایران (فارس) شام اور مصر میں خالد بن ولید اور عمرو بن بن العاص کی فوجی مہمیں عسکری تاریخ کی بہترین مہموں میں شمار کی جاتی ہیں اور نپولین۔ ہنی بال اور سکندر کی مہموں سے ان کا بہتر تقابل کیا جا سکتا ہے۔"

موسیٰ بن نصیرؓ

دنیا کی وہ تمام اقوام جنھوں نے انسانی تہذیب کی تعمیر اور ترقی میں حصہ لیا ہے۔ ان میں شاید کسی قوم نے تلوار اور قلم کو ایسی مشاقی اور مہارت سے استعمال نہیں کیا ہے، جیسا کہ طلوع اسلام کے بعد خانہ بدوش عربوں نے کیا۔ ان خانہ بدوش عربوں نے اپنے ریگستانی خیموں سے اٹھ کر تیس سال کے قلیل عرصے میں اس زمانے کی دو عظیم ترین سلطنتوں، ایران اور روم کے پرچم سرنگوں کردیئے اور ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور جس کی سرحدیں مغرب میں بحرِ اوقیانوس اور مشرق کی جانب دیوارِ چین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کی فتوحات چنگیز خاں۔ ہلاکو۔ ہنی بال، اور اٹیلا کی طرح اپنے ساتھ قتل و غارتگری لے کر نہیں آئیں۔ بلکہ عرب فاتحین جہاں بھی گئے، اور جن ممالک کو انھوں نے فتح کیا وہاں کی تہذیب اور تمدن۔ وہاں کے باشندوں اور تاریخی آثار کی ہر طرح حفاظت کی بلکہ ان کی سرپرستی کی۔ وہ

اپنے زمانے کے سب سے بڑے منتظمین اور مصلحین ثابت ہوئے۔ انھوں نے مفتوحہ اقوام کے دل کو جیت لیا اور ان کے جسم کے ساتھ ساتھ ان کی روح پر حکمرانی کی۔ اس طرح عربوں نے تاریخ کے سب سے زیادہ حیرت انگیز انقلاب کو جنم دیا۔ ایسا انقلاب جو انسانی زندگی کے سارے شعبوں پر محیط تھا۔

اسلام کے سنہرے دور، خلافت راشدہ، کے زمانے میں دنیائے اسلام کے عظیم ترین جنرل حضرت علیؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ تھے۔ جبکہ خلافت بنی امیہ کے نامور جنرل موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم ہوئے ہیں۔

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں بنی امیہ کی خلافت اپنے انتہائی عروج کو پہنچی جب کہ مشرق کی جانب محمد بن قاسم نے فتوحات کے دروازے ہندوستان کے زرخیز ملک پر کھول دیئے تو مغرب میں موسیٰ بن نصیر اور ان کے غلام طارق بن زیاد نے اسلامی فتوحات کا دائرہ بحر اوقیانوس اور آبنائے جبرالٹر کے پار اسپین اور کوہ پرینیز تک وسیع کر دیا۔ نامور مستشرق فلپ کے ہٹی اپنی مشہور کتاب "تاریخ عرب" میں رقم طراز ہے کہ:

"مغرب میں موسیٰ بن نصیر اور ان کے ماتحتوں کے کارنامے مشرق میں حجاج اور اس کے سپہ سالاروں کے کارناموں سے کم حیثیت کے نہیں تھے۔"

موسیٰ بن نصیر ۶۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ امیر معاویہ کے ایک پولیس افسر تھے۔ موسیٰ بن نصیر اپنے بچپن ہی کے زمانے سے بڑے تیز اور

طرار تھے اور جب وہ بڑے ہوئے تو خلیفہ عبد الملک نے انھیں بصرہ میں محاصل کا افسر بنا دیا۔ بعد ازاں ان کے حسن انتظام سے متاثر ہو کر اموی خلیفہ نے انھیں مغربی ممالک محروسہ کا والسرائے مقرر کیا۔ موسیٰ بن نصیر اب ایک وسیع علاقے پر حکومت کرتے تھے جس کی سرحدیں مشرق میں مصر سے مغرب میں بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ موسیٰ نے ایک اعلیٰ منتظم کی حیثیت سے اپنے ممالک محروسہ پر بڑی قابلیت سے حکومت کی اور متعدد اصلاحات نافذ کیں۔ بربریوں کو جلد معلوم ہو گیا کہ ان کا نیا والسرائے ایک بہترین منتظم اور غیر معمولی صلاحیت کا سپہ سالار ہے۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور افریقہ میں مفتوحہ علاقوں کا نہ صرف بہترین انتظام کیا، بلکہ فتوحات کے دائرے کو شمالی افریقہ کے دیگر علاقوں اور اسپین تک وسیع کر دیا۔

موسیٰ بن نصیرؒ اور اس کے لڑکوں نے متعدد جھڑپوں اور لڑائیوں میں بربر اقوام کی جارحیت کو ختم کر دیا۔ یونانی سازشوں کو جو بربریوں کو بغاوت پر بھڑکایا کرتے تھے افریقہ سے مار بھگایا اور تمام ملک محروسہ میں امن و امان قائم کیا۔

نئے والسرائے نے اپنی زیرک اور صلح کن حکمت عملیوں سے جنگجو بربروں کو جلد رام کر لیا۔ انھوں نے قیروان کو اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ اور یہاں سے وہ سارے ممالک محروسہ میں اسلامی اصولوں کے مطابق انصاف اور رواداری کے تحت حکومت کرتے تھے جس کی بنا پر بربر قوم جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئی۔ انھوں نے اسلامی فوج میں شامل ہو کر اسلامی فتوحات کا دائرہ کوہ پرینیز کے پار جنوبی فرانس تک وسیع کر دیا۔

شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک کو رومی بحریہ سے برابر تاخت و تاراج کا خطرہ رہتا تھا جس کا مستقر بحیرہ روم کے جزائر مجورکا۔ اور منارکا میں تھا ان پر قبضہ کر لیا۔ اور جلد ہی ان جزائر میں جو رومی استبداد کے تحت کراہ رہے تھے خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ بقول امیر علی:

"موسیٰ بحیثیت وائسرائے اب مشرق میں حجاج بن یوسف کا مدمقابل تھا۔ اور دونوں کے زیر حکومت علاقہ کا رقبہ تقریباً برابر تھا لیکن بہ حیثیت ایک منتظم اور سپہ سالار موسیٰ کا درجہ بہت اعلیٰ تھا۔"

موسیٰ نے رومیوں کو شمالی افریقہ سے نکال کر ممالک محروسہ کو سازشوں سے پاک کیا اور اس کی زیر حکومت مملکت کی سرحد بحر اوقیانوس تک پہنچ گئی۔ اسے یورپ پر حملہ کرنے میں سہولت ہوئی۔ ۷۱۰ء میں موسیٰ کے غلام طارق بن زیاد کی سرکردگی میں ساحل ہسپانیہ کا جائزہ لیا گیا۔

دوسرے سال طارق بن زیاد سات ہزار سپاہ کے ہمراہ جبل الطارق کے مقام پر ساحل ہسپانیہ پر لنگر انداز ہوا۔ دریائے برہٹے کے کنارے ہسپانیہ کے گوتھ خاندان کے بادشاہ روڈرک سے فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ روڈرک کی فوج میں ایک لاکھ سے زائد سپاہی تھے۔ لیکن عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور طارق کی فاتحانہ پیش قدمی کے سامنے ہسپانوی افواج کہیں بھی ٹھہر نہ سکیں۔ ایک سال بعد مغربی ممالک کا وائسرائے موسیٰ بن نصیر بذاتِ خود دس ہزار سپاہ لے کر اس میں داخل ہوا اور طارق سے مختلف راستہ اختیار

کرتے ہوئے اس نے مرینا۔ سد دینا۔ اور سوائل پر قبضہ کر لیا۔ مریدا پر سخت حملہ کر کے اس نے قبضہ کر لیا۔

ٹالیڈو کے مقام پر موسیٰ کی ملاقات اس کے نائب طارق بن زیاد سے ہوئی دونوں فاتحین ہسپانیہ کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے کوہ پیرنیز تک پہنچ گئے دو سال کے قلیل عرصے میں ہسپانیہ کا پورا جزیرہ نما مسلمانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔۔۔ پرتگال کے چند علاقوں پر دو تین سال بعد قبضہ ہوا اور اسے غرب کا نام دیا گیا۔ فلیپ کے ہٹی کے قول کے مطابق:

"اپنی سرعت اور مکمل کامیابی کے لحاظ سے ہسپانیہ میں مسلمانوں کی فتوحات زمانہ وسطیٰ کی تاریخ حرب میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔"

طارق بن زیاد کو پیچھے چھوڑتے ہوئے موسیٰ بن نصیر فرانس میں داخل ہو گیا۔ اور جنوبی فرانس کے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ امیر علی رقم طراز ہیں کہ: "کوہ پیرنیز کی بلندیوں پر کھڑے ہو کر بہادر اور جری دالسرائے نے سارے یورپ کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا اور اگر اسے اس کی اجازت ملتی تو اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ وہ اپنے منصوبہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا دیتا۔ مغرب اس کے قدموں تلے تھا۔ لیکن دربار دمشق کی متذبذب اور محتاط حکمت عملی کی وجہ سے یہ سنہرا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ اور یورپ آئندہ آٹھ صدیوں تک ذہنی تاریکی میں ڈوبا رہا۔"

موسیٰ کوہ پیریز کے علاقہ میں چند گوریلا دستوں کو زیر کرنے میں مشغول تھا، جب بنی امیہ کے خلیفہ ولید نے موسیٰ اور اس کے نائب طارق بن زیاد کو فوری طور پر دمشق طلب کر لیا۔

موسیٰ افریقہ ہوتا ہوا دمشق پہنچا۔ خلیفہ ولید کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے جانشین خلیفہ سلیمان نے موسیٰ اور اس کے نائب طارق کا بہت سرد مہری سے استقبال کیا۔ شام میں ۹۸ ہجری مطابق ۱۷-۱۶ ۷ء میں موسیٰ کا انتقال ہو گیا۔ ہسپانیہ سے روانہ ہونے سے قبل موسیٰ نے اس ملک کا پورا انتظام کر دیا تھا اور اپنے ایک بیٹے کو ہسپانیہ کا وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ جس کا صدر مقام سوائل میں تھا۔ دوسرے بیٹے عبداللہ کو جو بہادری اور انتظام مملکت میں یکتائے زمانہ تھا، شمالی افریقہ کا وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔

مسلمان فاتحین نے جس نظم و ضبط کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً کیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔ موسیٰ بھی اس امتحان میں پورا اترا اور جب سارا یورپ اس کے قدموں کے نیچے تھا، وہ خلیفہ کی طلبی کو لبیک کہتے ہوئے فوراً دمشق جانے پر تیار ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر اس طرح ایک عظیم بہادر۔ ایک غیر معمولی سپہ سالار۔ ایک بہترین منتظم اور نظم و نسق کا علمبردار ہوا ہے۔ ایسے ہی باصلاحیت مسلمانوں کی وجہ سے اتنے قلیل عرصے میں اسلامی مملکت دنیا کے اتنے وسیع خطوں پر پھیل گئی۔

طارق بن زیاد

ہسپانیہ کے ساحل جبرالٹر کے مقام پر لنگر انداز ہونے کے بعد اسلامی فوج کے سپہ سالار طارق بن زیاد نے ان جہازوں اور کشتیوں کو نذر آتش کر دینے کا حکم دیا جو اس کی افواج کو افریقہ سے لے آئی تھیں۔ فوجیوں کو اس پر سخت حیرت ہوئی ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ایک فوجی نے ہمت کر کے آخر کار سوال کیا: "یہ آپ کیا کر رہے ہیں جناب۔"

"آخر ہم واپس کیسے جائیں گے۔" دوسرے نے پوچھا۔

طارق پر اپنے فوجیوں کی حیرت اور استعجاب کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بڑے سکون سے وہ تاریخی الفاظ ادا کئے جو ہمیشہ بہادروں کے قلوب کو گرماتے رہیں گے۔ اس نے کہا: "ہم یہاں واپس جانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ یا تو ہم اس ملک کو فتح کر کے یہاں اپنا پرچم نصب کریں گے اور یہاں قیام کریں گے۔ یا پھر فنا ہو جائیں گے۔"

طارق کے الفاظ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیئے انھوں نے عیسائیوں کی عظیم فوج کو شکست فاش دے کر ہسپانیہ میں اسلامی پرچم نصب کر دیا اور پورے ملک کو فتح کرتے ہوئے کوہ پیرنیز کے پار فرانس میں جا پہنچے۔ شاعر اسلام علامہ اقبال نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

طارق چوں بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطا است
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم
ترک سبب بروئے شریعت کجا روا است
خندید دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است

اسلام کے برگزیدہ پیغمبرؐ کے بعد ہی مسلمانوں کو ہر جانب دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دشمنان اسلام کو یہ مغالطہ ہو گیا تھا کہ پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد ہی اسلام کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ لیکن آں حضرت کے صحابہ نے دشمنان اسلام کے اس چیلنج کو قبول کیا اور انھوں نے اس زمانے کی دو عظیم ترین سلطنتوں یعنی ایران اور روم سے ٹکر لی اور ان کے پرچم کو سرنگوں کر دیا۔ اس طرح ایک ایسے حیرت انگیز انقلاب کو جنم دیا جو نصف صدی کے قلیل عرصہ میں دنیا کی عظیم ترین طاقت کی شکل میں ظاہر ہوا اور تینوں براعظموں میں اس کا سکہ چلنے لگا۔

اسلام کے زرین اصولوں، اخوت، مساوات اور انصاف کے تحت

تربیت پانے والے مثالی معاشرہ میں عجمی اور عربی میں کوئی تفریق نہ تھی اور عجمیوں کو عربوں کے ساتھ اسلامی حکومتوں کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز کیا گیا۔ اسلام نے تقویٰ اور اہلیت کو افضلیت کی بنیاد قرار دیا۔ اسی وجہ سے اسلامی حکومتوں اور معاشرہ میں با صلاحیت غلاموں کو اعلیٰ ترین مناصب پر فائز کیا گیا۔ اور دنیائے اسلام میں متعدد غلام خاندانوں نے عرصہ دراز تک حکومت کی ہے۔

طارق بن زیاد بھی ایک نومسلم بربری غلام تھا جو افریقہ کے مسلمان وائسرائے موسیٰ بن نصیر کا ماتحت تھا۔ اس بربر غلام کی قسمت میں اسپین کا فاتح ہونا لکھا تھا اور آج بھی وہ مقام جہاں وہ لنگر انداز ہوا تھا جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے اسپین میں عربوں نے ایک عظیم سلطنت کی بنا ڈالی۔ جس نے آٹھ صدیوں تک علوم فنون کی وہ شمعیں روشن رکھیں جنھوں نے یورپ کی تاریکیوں کو منور کر دیا اور آخر کار مغرب کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوئیں۔

آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب شمالی افریقہ میں اسلامی حکومت کے تحت انصاف۔ اخوت اور خوش حالی کا دور دورہ تھا اسپین کا ہمسایہ ملک گوتھ حکمرانوں کے ظلم و ستم اور بربریت کا شکار تھا۔ وہاں کی خواتین کی عزت و آبرو خطرے میں تھی، اور وہاں کے کاشتکار بھاری ٹیکسوں کے تحت کراہ رہے تھے۔ گوتھ حکمرانوں اور ان کے حواری عیش و عشرت میں غرق تھے، اور ہر قسم کی بدفعلیوں کے مزے اڑا رہے تھے جبکہ وہاں کے عوام غربت اور افلاس کا شکار تھے۔ اسپین کے سینکڑوں عیسائی اور نصرانی باشندوں نے آخر کار گوتھ حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آکر شمالی افریقہ کی اسلامی حکومت میں پناہ لی۔ انھوں نے

خلافت بنو امیہ کے مسلمان وائسرائے موسیٰ بن نصیر سے درخواست کی کہ وہ انھیں اور ان کے ہم وطنوں کو گوتھ حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات دلائیں۔

ان کی درخواست موسیٰ بن نصیر نے اموی خلیفہ کو پہنچائی اور اس کی اجازت سے انھوں نے ہسپانیہ کے جنوبی ساحل پر حالات کا جائزہ لینے کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت کو روانہ کیا۔ اس کی رپورٹ موافق تھی اور مئی ۷۱۱ء میں طارق بن زیاد کی سرکردگی میں سات ہزار مسلمان چھوٹے بادبانی جہازوں اور کشتیوں میں آبنائے کو عبور کر کے ہسپانوی ساحل پر لنگر انداز ہوئے۔ طارق نے ساحل سے متصل ایک چٹان پر مسلمانوں کو جمع کیا۔ یہ چٹان آج تک جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔ طارق نے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس ملک کو فتح کرلیں ورنہ جام شہادت نوش کریں۔ کیونکہ انھیں واپس جانا نہیں ہے۔

طارق کی ولولہ انگیز تقریر نے مسلمانوں کے جوش وخروش کو دوبالا کردیا اور انھوں نے اپنے راستہ کی ساری رکاوٹوں پر قابو پالیا اور دشمن کی زبردست فوجوں کو متعدد لڑائیوں میں شکست دیتے ہوئے وسطی فرانس تک پہنچ گئے۔

اسپین کے گوتھ حکمراں روڈرک نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک زبردست فوج اکٹھا کی جو ایک لاکھ سے زیادہ نفوس پر مشتمل تھی اور ہر قسم کے جدید آلات حرب سے آراستہ تھی۔ طارق کو بھی پانچ ہزار مسلمانوں کی کمک ملی۔ اور اب اس کی فوج بارہ ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ دونوں فوجیں دریائے بربتہ کے دہانے کے قریب ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا

ہوئیں اور ۱۱ر جولائی ۷۱۱ء کو وہ تاریخی جنگ ہوئی جس نے اسپین کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ عیسائیوں کی فوج مسلمانوں سے دس گنا بڑی تھی اور ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ تھی۔ لیکن طارق بن زیاد کے آخری حملے نے عیسائیوں کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ جان و مال کا بھاری نقصان اٹھا کر وہ پسپا ہوئی شاہ روڈرک دریائے برتبے میں غرق ہو گیا۔ طارق بن زیاد کے اس عظیم الشان فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بلند اور عیسائیوں کے پست کر دئے۔ وہ کسی دوسری لڑائی میں مسلمانوں کے سامنے میدان جنگ میں ٹھہر نہ سکے۔

طارق بن زیاد کے لئے اسپین میں میدان اب صاف تھا اور وسطی فرانس پہنچنے تک مسلمانوں کو زیادہ مدافعت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ عیسائی فوجیں شمال کی جانب بھاگتی جا رہی تھیں اور مسلمان ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ طارق نے اپنی افواج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک فوج قرطبہ کی جانب دوسری ملاگا اور تیسری غرناطہ کی جانب بڑھی۔ اور چوتھی خود اس کی سرکردگی میں تھی شمال کی طرف ٹالیڈو کی سمت بڑھی جو ہسپانیہ کا دارالخلافہ تھا۔ ان تمام شہروں نے کسی خاص مدافعت کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور مسلمانوں کی حکمرانی قبول کر لی۔ عیسائی طارق بن زیاد کے طوفانی حملوں کی تاب نہ لا کر پسپا ہوتے رہے۔ عیسائیوں کی افواج کو مسلمانوں کی مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور وہ مسلمانوں کے آگے آگے بھاگی جا رہی تھیں۔ ایک مورخ نے بالکل صحیح تحریر کیا ہے:

"خدا نے کفار کے قلوب کو خوف و ہراس سے بھر دیا تھا" ہسپانیہ کے مظلوم

عوام نے مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہوئے انھیں خوش آمدید کہا جنھوں نے عیسائیوں کے ظلم وستم سے انھیں نجات دلائی تھی۔ طارق بن زیاد اور ان کے مسلمان فوجیوں کی رواداری اور حسن سلوک نے مفتوحہ عیسائی اقوام کے قلوب کو مسخر کر لیا۔

اس مہم کی ایک خوفناک جنگ۔ الیسجا (ECIJA) کے مقام پر لڑی گئی جس میں طارق کو فتح نصیب ہوئی۔ ہسپانیہ کے دارالخلافہ ٹالیڈو نے برائے نام مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ یہاں شمالی افریقہ کے اموی وائسرائے موسیٰ بن نصیر بھی طارق سے آملے۔ اس کے بعد دونوں سپہ سالار دوش بدوش باقیماندہ اسپین اور پرتگال کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، دو سال کے قلیل عرصہ میں پورا اسپین مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا۔ کچھ عرصہ بعد پرتگال بھی فتح ہو گیا۔ مشہور مستشرق فلیپ کے ہٹی کے قول کے مطابق:

"عربوں کا یہ آخری اور سب سے سنسنی خیز معرکہ تھا جس کے نتیجہ میں یورپ کا ایک بہت بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا۔ فتوحات کی سرعت اور اسپین میں مہم کی تکمیل کے لحاظ سے اسے زمانہ وسطیٰ کی تاریخ حرب میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔"

موسیٰ اور طارق سارے یورپ کو آسانی سے فتح کر سکتے تھے اور کوئی حکومت ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ وہ فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے لیکن قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ جب وہ سارے یورپ کو فتح کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، اور ان کی فوجیں کوہ پیرینیز کو عبور کر کے

جنوبی فرانس میں جا پہنچی تھیں۔ اموی خلیفہ کی جانب سے ان کی طلبی کا پروانہ موصول ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تابعدار ماتحتوں کی طرح وہ فی الفور دمشق کو روانہ ہو گئے۔ اس طرح یورپ کو فتح کرنے کا ایک زرین موقع مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ طارق اور موسیٰ کو اسپین واپس ہونا نصیب نہ ہوا، اور دمشق میں ان کا انتقال ہو گیا۔

مسلمانوں نے ہسپانیہ کو فتح کر کے وہاں ایک شاندار تہذیب وتمدن کی بنا ڈالی اور اسے ایک خوش حال اور انتہائی ترقی یافتہ خطہ بنا دیا۔ اور اس طرح ہسپانوی تاریخ میں سب سے زرین باب کا اضافہ کیا۔ وہاں ایک معاشرتی انقلاب کو جنم دیا جس میں ہر قسم کی مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا۔ اور عیسائیوں کو ہر قسم کی مذہبی اور معاشرتی آزادی اور حقوق عطا کئے گئے۔ اور گوتھ حکمرانوں کے ظلم وستم اور تنگ نظری کے بجائے ہر قسم کی رواداری اور حسن سلوک کو عیسائیوں کے لئے روا رکھا گیا۔ عیسائیوں کی ملکیت کو برقرار رکھا گیا۔ مسلمانوں نے محصول کا ایک نیا نظام رائج کیا جس کے تحت ہسپانیہ میں خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا اور ہسپانیہ یورپ کی سب سے زیادہ خوش حال اور متمدن مملکت بن گئی۔ عیسائیوں کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے عیسائی جج مقرر کئے گئے۔ ہسپانیہ کے سارے باشندوں کو ملک کی ملازمتوں میں داخل ہونے کی یکساں سہولتیں اور مواقع حاصل تھے۔

ہسپانیہ میں مسلمان حکمرانوں نے علوم وفنون کی وہ شمعیں روشن کیں جس نے آخر کار تاریک یورپ کو منور کر دیا اور جو مغرب کی نشاۃ ثانیہ

کا باعث ہوئیں۔ مسلمانوں نے ہسپانیہ میں ایسی تہذیب اور تمدن کو پروان چڑھا دیا، جس کی نظیر زمانہ وسطیٰ کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

ہسپانیہ میں مسلمان حکمرانوں کی رواداری اور انصاف پروری کا بہت اچھا اثر ہوا۔ عیسائی اور خصوصاً ان کے پادری جو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ دوبارہ اپنے گھروں کو واپس آئے اور انھوں نے بڑی آسودہ۔ پرسکون اور خوش حال زندگی بسر کرنی شروع کی۔ ایک مشہور عیسائی مستشرق نے لکھا ہے:

"مسلمانوں نے قرطبہ کی حیرت انگیز سلطنت کو قائم کیا جو زمانہ وسطیٰ کے عجائب میں شمار ہوتی ہے۔ جبکہ سارا یورپ بربریت جہالت اور جنگ وجدال کا شکار تھا تو اس سلطنت میں علوم اور تہذیب کی شمعیں روشن تھیں۔"

محمد بن قاسمؒ

ہندوستان کے وسیع اور عریض ملک میں اسلامی حکومت کی بنیاد عالمی تاریخ کے سب سے کم عمر فاتح محمد بن قاسم نے رکھی تھی۔ جو اس وقت مشکل سے سترہ سال کے تھے۔ سندھ کے علاقہ سے متعلق خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا ارشاد گرامی ہے:

"یہ ایک چھچھلا علاقہ ہے، جہاں کے پھل بدمزہ ہوتے ہیں۔ جہاں چھوٹی فوجیں ختم ہو جائیں گی اور بڑی فوجیں بھوک پیاس کا شکار ہو کر ختم ہو جائیں گی۔"

محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں اسی ویران اور کینہ پرور وادی میں قدم رکھا۔ جہاں اُسے برصغیر کی سب سے زیادہ طاقتور اور زبردست فوجوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ محمد بن قاسم کے ساتھ مشکل سے چھ ہزار سپاہی تھے۔ لیکن دو سال کے قلیل عرصہ میں اس نے راجہ داہر کی طاقت ور فوجوں کو شکست فاش دے کر ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ نوعمر محمد بن قاسم کی حیرت انگیز فتوحات زمانہ وسطیٰ کی حربی تاریخ

میں نمایاں مقام رکھتی ہیں اور بقول لیبن پول:

"عالمی تاریخ میں ایک بڑے دل کش باب کا اضافہ کرتی ہیں"

محمد بن قاسم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب اسلامی فتوحات کا سیلاب مشرق و مغرب میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اور دنیائے قدیم کے تینوں براعظموں پر محیط ہو گیا تھا۔ مغرب میں موسیٰ بن نصیر نے سارا شمالی افریقہ فتح کر لیا تھا اور اس کا غلام طارق بن زیاد پورے جزیرہ نما ہسپانیہ کو تسخیر کرتا ہوا جنوبی فرانس میں پہنچ گیا تھا۔

مشرق میں قتیبہ بن مسلم نے تاتاریوں کو زیر کر کے وسطی ایشیا کے علاقہ پر اسلامی پرچم لہرا دیا تھا۔ سندھ میں محمد بن قاسم کا ۷۱۲ء میں ورود ہوا اور انھوں نے دو سال کے قلیل عرصہ میں سارے بلوچستان۔ سندھ۔ بہاولپور کو فتح کر کے ملتان پر قبضہ کر لیا۔

اس زمانے میں سندھ پر ایک ہندو راجہ داہر حکومت کرتا تھا۔ وہ چچ کا بیٹا تھا جو برصغیر کا مانا ہوا سیاست داں اور منتظم تسلیم کیا جاتا تھا۔ راجہ داہر کی سلطنت پورے برصغیر کی سب سے زیادہ طاقتور حکومت تھی۔ اور پورا سندھ بلوچستان مکران۔ گجرات، مارواڑ اور نصف پنجاب اس کے زیر نگیں تھا۔ اس کا دارالخلافہ دیبل دریائے سندھ کے کنارے ساحل سمندر کے قریب واقع تھا۔

راجہ داہر ایک بڑا مغرور اور سورش پسند حکمراں تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خلیفہ کے باغیوں کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے آدمیوں نے مسلمان تجار کو لوٹ لیا تھا۔ جو عرب سے لنکا جاتے ہوئے دیبل سے گزر رہے تھے۔

راجہ کے آدمیوں نے مسلمان تجار کے مال ومتاع کی لوٹ مار پر صرف اکتفا نہیں کی تھی بلکہ ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی اپنی حراست میں لے لیا تھا اور خلیفہ کی شکایت کے باوجود انہیں رہا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سندھ پر حملہ کرنا پڑا۔

عراق میں خلافت بنی امیہ کے وائسرائے حجاج بن یوسف نے جو محمد بن قاسم کے ماموں اور خسر تھے۔ اس ساری مہم کی منصوبہ بندی کی تھی اور چھ ہزار مسلمانوں کی ایک فوج نوجوان محمد بن قاسم کی سربراہی میں اس مقصد کے لئے سندھ روانہ کی تھی۔

محمد بن قاسم نے اپنی فوج کو لے کر بڑی سرعت کے ساتھ سفر کیا اور راجہ داہر کے صدر مقام دیبل کا جا کر محاصرہ کر لیا وہ اپنے ساتھ دو نئے ہتھیار لایا تھا اس میں ایک تو منجنیق تھی جو بڑے بڑے پتھر دور تک پھینک سکتی تھی اور دوسرا آتشیں گولہ تھا جو غنیم پر پھینکا جا سکتا تھا۔ اس کی مختصر سی فوج کے مقابلہ میں راجہ داہر کی زبردست فوج تھی جو ایک لاکھ سے زائد سپاہیوں پر مشتمل تھی اور جس میں سینکڑوں جنگی ہاتھی اور ہزاروں بہترین تیر انداز تھے۔ اس کے علاوہ راجہ داہر تنہا نہ تھا۔ بلکہ سارے برصغیر کے رجواڑے اس کی پشت پر تھے۔ اور اُسے ہر قسم کی امداد کرتے رہتے تھے۔ برخلاف اس کے مسلمان اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک ایسے غنیم سے نبرد آزما تھے جس کے ذریعے لامحدود تھے اور جسے اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں سے ہر قسم کی حمایت حاصل تھی۔ راجہ داہر نے دشمن کو تھکا کر ختم دینے کا پرانا حربہ استعمال کیا۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو

دیبل کی فصیلوں کے اندر بند کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ دیبل کی ناقابل تسخیر فصیلوں کو توڑنا اور انھیں گرانا آسان کام نہیں ہے، اور مسلمان دو چار دن میں ان فصیلوں سے اپنے سر ٹکرا کر واپس لوٹ جائیں گے۔

دیبل میں مسلمانوں کی فتح میں "عروس" نامی منجنیق نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ عروس سے پھینکے جانے والے ایک پتھر سے وہ پرچم سرنگوں ہو گیا جو دیبل کے سب سے بلند مندر پر لہرا رہا تھا محصورین نے اسے ایک نحوست خیال کیا اور وہ میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل آئے۔ مجاہدین اسلام نے انھیں میدان جنگ میں شکست فاش دی اور بڑی تعداد میں ہندو میدان جنگ میں کھیت رہے۔ انھیں بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔

۷۱۲ء سے ۷۱۴ء تک دو سال کے قلیل عرصے میں محمد بن قاسم کو راجہ داہر اور ان کے حمایتوں کے خلاف گیارہ سخت اور خوفناک لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ راجہ داہر اور ان کے ساتھیوں کے پاس لاتعداد فوج تھی، جو روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی، لیکن نوجوان محمد بن قاسم کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمان ہر جگہ کامیاب رہے اور انھوں نے اپنے سے کئی گنا زیادہ ہندو افواج کے مقابلہ میں شاندار فتح حاصل کی۔

دیبل کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نیرون کی جانب بڑھے۔ اس شہر نے بلا مقابلہ ہتھیار ڈال دئے۔ جہاں سے وہ بھیرا کی طرف گئے جہاں مسلمانوں نے راجہ وجے رائے کو شکست دی۔ بعد ازاں مسلمانوں نے سہوان۔

سیام اور اشیابہ پر برائے نام مقابلہ کے بعد قبضہ کر لیا۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے اسلامی فوج جمپیر کے مقام پر پہنچی۔ جہاں جے سنگھ کی زیر کمان راجہ داہر کی ایک زبردست فوج دریا کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن تھی۔ محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو پار کرنے کے لئے ایک عجیب و غریب منصوبے پر عمل کیا۔

اس نے دریا کے ساحل کے ساتھ بیسیوں کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح باندھ دیا جو سب ملا کر دریا کی چوڑائی کے برابر ہوتی تھیں، اور ہر کشتی میں اس نے پانچ بہترین تیر اندازوں کو بٹھا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ کشتیوں کو دریا کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔ کشتیاں دریا کے دھارے پر ساحل کی جانب بڑھیں۔ مسلمان تیر اندازوں کے تیروں کی بارش میں غنیم کی فوج کو ساحل سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسلامی فوج نے فی الفور اپنی منجنیقیں مشرقی ساحل پر اتار دیں اور غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ ہندو فوج کو سخت جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔

محمد بن قاسم نے جمپیر پر قبضہ کر لیا اور اس نے راجہ داہر کی فوجوں کا تعاقب کیا۔ رہوار (حیدر آباد) میں راجہ داہر نے سخت مقابلہ کیا۔ اس کی بے شمار افواج نے محمد بن قاسم کی مٹھی بھر مجاہدوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کے لئے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن محمد بن قاسم اور اس کے سرفروش مجاہد شیروں کی طرح لڑے۔ ہندوؤں کو شکست فاش ہوئی، اور راجہ داہر میدانِ جنگ میں مارا گیا۔

دوسری سخت جنگ محمد بن قاسم کو برہمن آباد میں راجہ داہر کے جنرل جے سنگھ کے خلاف لڑنی پڑی۔ جس میں جے سنگھ کی چالیس ہزار ہندو فوج کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی، وہ ہزاروں لاشوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر کشمیر کی جانب فرار ہو گیا

محمد بن قاسم دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ قدم قدم پر اسے ہندوؤں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ایک سخت لڑائی کے بعد مسلمان مجاہدین نے آروار (روہڑی) پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں انھوں نے سخت مقابلہ کے بعد سکا اور اس کے بعد ملتان پر اسلامی پرچم آویزاں کر دیا۔ ملتان میں انھیں ایک بڑا خزانہ ہاتھ آیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا سہرا بڑی حد تک ان کے جوش ایمانی اور نوجوان محمد بن قاسم کی بے مثل اور دلیرانہ قیادت کے سر ہے۔

محمد بن قاسم نے محاصروں اور کھلے میدانِ جنگ میں جس ماہرانہ قیادت کا مظاہرہ کیا وہ اسے دنیا کے عظیم ترین فاتحین کے صف میں جگہ دینے کے لئے کافی ہے۔ میدانِ جنگ سے متعلق اس کی خفیہ منصوبہ بندی، اور دورانِ جنگ کے نازک اوقات میں ریزرو فوج کے حملے سے اسے غنیم کو شکست دینے میں بڑی سہولت ہوئی۔ اور سب سے بڑھ کر اس کی دلیری اور بے جگری نے بڑے سے بڑے دلاوروں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

محمد بن قاسم نے جنگ اور امن دونوں حالتوں کے دوران اپنے آپ کو عظیم ثابت کیا۔ وہ ایک بڑا اچھا منتظم ثابت ہوا۔ اُس کے دو سالہ دورِ حکومت میں اس کی رواداری اور انصاف پروری نے مفتوحین کے قلوب جیت

مسخر کر لیا۔ اس کے زرعی اور دیگر اصلاحات کے ذریعہ سارے ممالک محروسہ میں خوش حالی اور امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔

جب اموی خلیفہ ولید اور اس کے وائسرائے حجاج بن یوسف کے انتقال کے بعد اموی خلیفہ سلیمان نے ذاتی اختلاف کی بنا پر محمد بن قاسم کو معزول کر کے دمشق طلب کیا تو سندھ کے اشکبار اور غمگین عوام نے اُسے بادل ناخواستہ رخصت کیا۔

یوسف بن تاشفین

مسلمانوں نے شجاعت اور دلیری کی جو مثالیں قائم کی ہیں ان کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔ بیشتر جنگوں میں اسلامی فوجیں اپنے سے کئی گنا زیادہ اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس فوجوں سے ٹکرائیں اور انھیں نیچا دکھایا۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید نے جنگ یرموک میں ساٹھ بہادروں کے ساتھ جبلہ بن غسان کے ساٹھ ہزار عیسائی بہادروں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ بختیار خلجی نے اٹھارہ سواروں سے بنگال فتح کیا۔ خلافت عثمانیہ کے دور انحطاط میں بھی جب سلطان ترکی یورپ کا مرد بیمار مشہور ہو چکا تھا مصطفےٰ کمال نے جنگ سکاریہ میں یونانیوں کی کئی گنا بڑی فوج کو جسے فتحیاب اتحادیوں کی پشت پناہی حاصل تھی اور جو ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے لیس تھی اپنے ملک سے مار بھگایا۔

گیارہویں صدی عیسوی کے آخری ایام میں ہسپانیہ کی اسلامی حکومت

اپنے زوال کے آخری کنارے پر پہنچ گئی تھی۔ ہسپانیہ میں چھوٹی چھوٹی مسلمان حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ جو باہمی جنگ وجدال اور تنازعات میں مصروف رہتی تھیں۔ اس کے برخلاف جنوبی فرانس اور شمالی ہسپانیہ کی عیسائی حکومتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال باہر کرنے کے منصوبے تیار کرتی رہتی تھیں۔ ان عیسائی ریاستوں نے ہسپانیہ کی چند مسلمان ریاستوں کے علاقوں کو ہڑپ کر لیا تھا اور دوسرے علاقوں پر بزور شمشیر اور ریشہ دوانیوں کے ذریعہ قبضہ کرنے کی تدبیریں کرتی رہتی تھیں۔

اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے سوائیل کے مسلمان حکمران معتمد نے مشہور فاتح یوسف بن تاشقین کو دعوت دی کہ وہ ہسپانیہ سے عیسائیوں کو نکالنے میں اس کی مدد کریں۔ یوسف بن تاشقین شمالی افریقہ میں ایک ابھرنے والی اسلامی طاقت کے سربراہ تھے۔ یوسف شمالی افریقہ ایک بڑے علاقے پر حکومت کرنے والے مذہبی قبیلے المورادیدوں کے دلیر اور باصلاحیت سربراہ تھے۔

المورادیہ جو گیارہویں صدی میں ایک نیم مذہبی فوجی جماعت کی حیثیت سے مغربی افریقہ میں ابھری رفتہ رفتہ سارے شمالی افریقہ پر چھا گئی۔ صحرائے اعظم کے بربر قبائل جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اس جماعت نے شمالی افریقہ کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر کے اس میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

یوسف بن تاشقین ۱۰۶۱ء میں اس جماعت کے دینی اور سیاسی

سربراہ مقرر ہوئے۔ وہ ایک بڑے دلیر اور باصلاحیت حکمراں ثابت ہوئے۔ اور انھیں المورادید کی عظیم سلطنت کا معمار تسلیم کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی سلطنت کے حدود کو وسطی اور مغربی افریقہ تک پھیلا دیا۔ ۱۰۶۲ء میں انھوں نے مراکش کی بنیاد ڈالی۔ جو ان کی اور ان کے ورثار کا دارالخلافہ بنا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ نے اسلام کے لئے یوسف بن تاشقین کی خدمات کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں "امیر المسلمین" کا خطاب دیا۔

یوسف تاشقین اور ان کے ورثا عباسی خلفار کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے دنیائے اسلام کے دینی پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ نصف صدی نے مورادیدوں کو شمالی افریقہ اور جنوبی ہسپانیہ میں سیاسی برتری حاصل تھی۔

ہسپانیہ میں غرناطہ کی مسلمان حکومت مستقل طور پر شمالی عیسائی حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار رہتی تھی جو اسے ہر طرح سے تنگ کیا کرتے تھے۔ اور اس میں ہر قسم کی سورش بپا کیا کرتے تھے۔ خاص کر شمالی ہسپانیہ کا عیسائی حکمراں الفانسو ششم جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہا کرتا تھا۔ غرناطہ کی مسلم حکومت کے لئے مستقل درد سر بنا ہوا تھا۔ ہسپانیہ کے چند خود غرض اور نادان مسلمان حکمرانوں نے بھی الفانسو کے ساتھ مل کر دوسری مسلمان حکومتوں کے علاقوں پر جارحانہ حملے شروع کر رکھے تھے اور ان شرپسند حکمرانوں کی تگ و تاز جنوبی ہسپانیہ تک پہنچ گئی تھی۔ الفانسو نے اپنے حلیف خود غرض مسلمان حکمرانوں کو بیوقوف بنا کر مسلمانوں کو ہسپانیہ سے ملک بدر کرنے کے منصوبے بنا رکھے تھے، اور خفیہ طور پر وہ اس پر عمل پیرا تھا۔

جب عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں حد سے تجاوز کر گئیں اور خطرہ مجسم ہو کر سامنے آگیا تو سوائیل کے مسلمان حکمراں معتمد نے یوسف بن تاشفین سے امداد طلب کی اور اسلام کے نام پر ان سے درخواست کی کہ وہ ہسپانیہ کے مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں سے نجات دلائے۔ اور اس طرح اس خطرے کو دور کرنے میں مدد دے۔ جو ہسپانیہ کی مسلم حکومتوں کو درپیش تھے۔ یوسف بن تاشفین نے اس دعوت کو قبول کر لیا، اور فی الفور وہ شمالی افریقہ سے روانہ ہو کر ساحل اسپین پر لنگر انداز ہوا۔ کسی رکاوٹ یا مخالفت کے بغیر وہ شمالی ہسپانیہ تک بڑھتا چلا گیا۔ راستے میں معتمد اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کی فوجیں اس کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ اس طرح مسلمانوں کی متحدہ فوج جو بیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی شمالی ہسپانیہ کی جانب بڑھتی گئی۔ آخر کار زولاقہ کے میدان میں الفانسو ششم کی ساٹھ ہزار فوج سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء کو اس میدان میں ایک خوفناک جنگ لڑی گئی جس میں عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی۔ عیسائی حکمراں صرف تین سواروں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس کی ساری فوج میدانِ جنگ میں موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ عیسائیوں کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

یوسف بن تاشفین کی زیر قیادت مسلمانوں کی اس فیصلہ کن فتح نے ایک بار پھر مسلمانوں کی حاکمیت اور اقتدار کو ہسپانیہ میں مستحکم کر دیا۔ ہسپانیہ کے مسلمانوں میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی،

اندلس کے شعرا نے یوسف بن تاشفین کی شان میں سینکڑوں قصائد لکھے۔

اس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی قوت اور اقتدار کو ایک بار پھر مستحکم کرکے یوسف بن تاشفین اپنے وعدے کے مطابق اپنی مملکت شمالی افریقہ کو واپس لوٹ گیا۔

چند سال کے بعد وہ ہسپانیہ میں دوبارہ وارد ہوا۔ ہسپانیہ کے خودغرض عیاش اور نااہل مسلمان حکمرانوں کے مناقشات اور تنازعات نے ایک بار عیسائی خطرہ کو قریب تر کردیا تھا۔ اور وہ حقیقت کا جامہ پہنتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس نے جنوبی اور وسطی ہسپانیہ پر قبضہ کرکے المورادید سلطنت سے اس کا الحاق کردیا۔ اس حکومت میں فقہا کو بڑا رسوخ اور طاقت حاصل تھی۔

یوسف بن تاشفین ایک تجربہ کار منتظم بھی ثابت ہوا۔ اس کی حکومت عدل وانصاف پر مبنی تھی۔ جس میں حکومت کو استحکام اور سلطنت میں خوش حالی کا دوردورہ تھا۔ اس کے عوام اس سے ڈرتے، محبت کرتے، اور اس کی عزت کرتے تھے۔ اس نے ہسپانیہ میں اسلامی اقتدار کو عیسائیوں کے خطرے سے اس وقت بچایا جب چہار جانب سے طوفان اس کو تباہ کرنے کے لئے امڈ رہے تھے۔ تقریباً پچاس سال کامیاب حکومت کرنے کے بعد یوسف بن تاشفین کا ۱۱۰۶ء میں انتقال ہوگیا۔

سُلطان محمُود غزنوی

کاٹھیاواڑ کے ایک تاریخی میدان میں ہندوستان کے ہندو راجاؤں کی زبردست متحدہ فوج ہر قسم کے سامانِ حرب سے آراستہ اور سینکڑوں جنگی ہاتھیوں اور ہزاروں گھوڑوں کے ساتھ خیمہ زن تھی۔ اس کے مدمقابل مسلمانوں کی قلیل اور خستہ حال فوج تھی۔ جو راجپوتانہ کے ناقابل گزار ریگستانوں کو عبور کر کے بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے نڈھال ہو رہی تھی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی افواج میں ایک اور دس کا تناسب تھا۔ مسلمانوں کی فوج کی قیادت عظیم مسلم فاتح سلطان محمود غزنوی کر رہا تھا۔ جو فوجیوں کی کثرت سے ہراساں ہونا نہیں جانتا تھا۔ اس نے خدائے قدوس کے حضور میں صدق دل سے ہندوؤں کے خلاف مسلمانوں کی فتح کی دعا مانگی۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنے تھکے ماندے خستہ حال سپاہیوں کے سامنے ایک یادگار تقریر کی۔ جس نے ان کی ہمتوں کو دوبالا کر دیا اور وہ مرنے اور مارنے پر تیار ہو گئے۔ اللہ اکبر کا

فلک شگاف نعرہ بلند کرکے انھوں نے غنیم پر حملہ کر دیا۔ ان کا حملہ اتنا شدید تھا کہ وہ دور تک ہندوؤں کی فوج میں گھستے چلے گئے۔ غنیم کے سپاہیوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ ہندو افواج کے وسیع سمندر میں کھو گئے۔ وہ شیروں کی طرح لڑ رہے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کے بلند کردہ نعرۂ تکبیر سے ان کی موجودگی کا پتہ چلتا تھا۔ جدال اور قتال کا یہ کھیل کافی دیر تک جاری رہا۔ آخر کار محمود غزنوی نے اپنے چیدہ جانبازوں کو لے کر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ جس نے ہندوؤں کو پسپا کر کے انھیں فرار پر مجبور کر دیا۔ وہ میدانِ جنگ میں ہزاروں لاشیں چھوڑ کر اور بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہندوؤں کا مشہور مندر سومناتھ اب سلطان محمود کے رحم و کرم پر تھا۔ مندر کے پجاریوں نے سلطان محمود کو مندر میں ایستادہ بتوں کے بدلے کثیر دولت کی پیش کش کی۔ لیکن سلطان نے وہ الفاظ ادا کئے جو تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں اس نے کہا کہ وہ مستقبل میں ایک بت فروش کے بجائے بُت شکن کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے گرز سے سومناتھ کے بڑے بت کو پاش پاش کر دیا۔ اس کے اندر سے بیش بہا اور انمول جواہرات کا ذخیرہ اُبل پڑا۔

سلطان محمود غزنوی گیارہویں صدی عیسوی کا ایک عظیم فاتح تھا۔ جس نے ہندوستان پر سترہ حملے کر کے برصغیر میں ہندو راجاؤں کا زور ہمیشہ کے لئے توڑ دیا اور اس طرح ہندوستان میں اسلامی حکومت کے لئے زمین ہموار کی۔ وہ ایک عظیم فاتح کے ساتھ ساتھ ایک نامور حکمراں نیز علوم فنون

کا سرپرست تھا۔ اس نے اپنے دربار میں دنیائے اسلام کے شہرۂ آفاق اور یگانۂ روزگار افراد جمع کر رکھے تھے۔ جس میں دنیائے اسلام کا ہمہ داں مفکر ابوریحان بیرونی اور فارسی کی لازوال رزمیہ نظم شاہنامہ کا مصنف فردوسی شامل تھے۔ شہرہ آفاق مسلمان مورخ فرشتہ کے قول کے مطابق محمود غزنوی میں ایک اچھے حکمراں کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔"

برطانوی مورخ الفنسٹن (ELPHINSTON) کا قول ہے:

"ان کی عظمت کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ ان میں ایک عظیم فاتح کی صفات کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی سرپرستی کا جذبہ پایا جاتا تھا جو اسی زمانے کے حکمرانوں میں کمیاب تھا اور اس حد تک پایا نہیں جاتا تھا۔

محمود جو سبکتگین کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۹۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ بخارا کے حکمراں شاہ نوح ثانی نے محمود کے باپ سبکتگین کو خراسان کا گورنر اور ان کے بیٹے کو ان کا نائب مقرر کیا۔ سبکتگین نے شاہ اسمٰعیل کو شکست دیکر نیشاپور پر قبضہ کرلیا۔ باپ کے انتقال کے بعد محمود نے غزنی پر قبضہ کرلیا۔ اور ۹۹۹ء میں وہ غزنی کے تخت شاہی پر متمکن ہوا۔

محمود غزنوی اپنے زمانہ کا عظیم ترین حکمراں ثابت ہوا۔ وہ جنگ اور امن دونوں میں بہت کامیاب رہا۔ ایک نامور فاتح کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب منتظم اور علوم و فنون کا شہرہ آفاق سرپرست تھا۔ ایسی متضاد صفات دنیا کے کم حکمرانوں میں پائی جاتی ہیں۔

عباسی خلیفہ قادر باللہ نے خراسان اور غزنی میں محمود کی حکمرانی کو تسلیم کرتے ہوئے اسے "امیر الملت" اور "یمین الدولہ" کے خطابات عطا کیے۔

اپنی زندگی کے آخری تیس سال میں سلطان محمود نے ہندوستان پر سترہ[17] حملے کیے۔ ۱۰۰۱ء میں اس نے پنجاب کے طاقتور ہندو راجہ جے پال کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ لیکن خراج دینے کے وعدے پر اس نے راجہ جے پال کو رہا کر دیا۔ رہائی حاصل کرنے کے بعد جے پال نے عہد شکنی کی۔ محمود نے جلد ہی جے پال کو اس عہد شکنی کی سزا دی۔ بعد ازاں سلطان محمود نے ملتان اور غور پر حملہ کر کے ان کے حکمرانوں کو اطاعت پر مجبور کیا۔

ہندوستان کے راجاؤں نے سلطان محمود کے خلاف متحدہ محاذ بنایا تھا جب سلطان نے ۱۰۰۸ء میں دریائے سندھ کو پار کیا تو اسے ہندو راجاؤں کے ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لشکر میں پنجاب کے راجہ آنند پال اجین۔ گوالیار۔ کالنجر قنوج۔ دہلی اور اجمیر کے راجاؤں کی سامان حرب سے لیس فوجیں شامل تھیں۔ ایک خونریز جنگ کے بعد سلطان نے ہندوؤں کو شکست فاش دی۔ میدان جنگ میں ہزاروں کشتوں کو چھوڑ کر ہندو فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ اس ناگہانی شکست سے ہندو راجہ اس قدر دل شکستہ ہوئے کہ ان کا متحدہ محاذ ختم ہو گیا۔ سلطان محمود نے آگے بڑھ کر بھاون کے قلعہ اور کانگڑا کے مندر پر قبضہ کر لیا۔

سلطان نے راجہ جے پال کے لڑکے آنند پال کو اس کی بد عہدی کی سزا دینے کے لیے ۱۰۰۹ء میں پنجاب پر دوبارہ حملہ کیا۔ ۱۰۱۱ء میں اسے

تھانیسر کے مندر پر قبضہ کر لیا۔ ۱۰۱۴ء میں درہ منگلا سے متصل سلطان محمود نے ہندو راجاؤں کی متحدہ فوج کو شکست دی اور کشمیر میں ان کا تعاقب کیا۔

سلطان نے ان ہندو راجاؤں کو سزا دینے کے لئے جنھوں نے بدعہدی کرتے ہوئے خراج دینا بند کر دیا تھا ۱۰۱۸ء میں ایک بار ہندوستان میں وارد ہوا۔ دریائے جمنا کو عبور کر کے اس نے مہابن کے راجہ کلچن کو شکست دے کر متھرا اور بندرابن کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ وہ اپنے چیدہ سواروں کے ساتھ دریائے گنگا پر واقع قنوج کے شہر پر حملہ آور ہوا۔ اس شہر کا دفاع اس کے چہار جانب تعمیر کردہ متعدد قلعے کر رہے تھے۔ سلطان کی آمد کی خبر سن کر قنوج کا راجہ اتنا ہراساں ہوا کہ وہ اپنا دارالخلافہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔

سلطان محمود کے خلاف انتہائی بزدلی دکھانے پر گوالیار اور کالنجر کے راجاؤں نے راجہ قنوج کو قتل کرا دیا۔ اور انھوں نے سلطان کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا۔ سلطان نے ۱۰۲۲ء میں ان دونوں کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر انھیں خراج دینے پر مجبور کیا۔

سلطان نے ۱۰۲۳ء میں ترکستانی علاقے پر حملہ کیا۔ ۱۰۲۵ء میں اس نے سومناتھ پر قبضہ کر لیا اور جنوری ۱۰۲۶ء میں اس نے ہندو راجاؤں کی متحدہ افواج کو ایک بار پھر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ۱۰۲۷ء میں اس نے ملتان کے قریب دریائے سندھ میں ایک بحری لڑائی میں جاٹوں کو شکست دے کر مار بھگایا۔ جاٹوں نے کشتیوں کا ایک بیڑا ملتان کے

قریب دریائے سندھ میں اکٹھا کیا تھا۔

سلطان نے اپنی باقیماندہ زندگی مغربی ممالک کی تسخیر پر صرف کی۔ اس نے آل بو یا کے حکمرانوں کو شکست دے کر عراق۔ رے اور اصفہاں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، جس پر اس نے اپنے بیٹے مسعود کو گورنر مقرر کیا۔

دنیا میں ایسے کم حکمراں گزرے ہیں جو جنگ اور امن کی حالتوں میں یکساں طور پر کامیاب ہوئے ہوں۔ سلطان محمود کو اپنی جنگی مہموں سے جب بھی فرصت ملتی وہ اپنا وقت اپنے عوام کی فلاح و بہبود اور خوش حالی کے حصول پر صرف کرتا۔ اس نے اپنے دار الخلافہ غزنی کو ایک عظیم شہر بنا دیا اور اسے شان دار عمارتوں۔ کشادہ شاہراہوں اور سر سبز باغوں سے مزین کیا۔ اس کے عہد میں غزنی شرق کی ملکہ کہلاتا تھا۔ اس نے غزنی میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی جو مشرق کے عجائبات میں شمار کی جاتی تھی۔ اس نے غزنی میں عجائب گھر، کتب خانے اور ایک یونیورسٹی تعمیر کی۔ ان کے علاوہ اس نے اس تاریخی شہر کو خوبصورت مسجدوں۔ گنبدوں۔ فواروں۔ باغوں۔ تالابوں اور نہروں سے مزین کیا۔

سلطان نے زراعت کو فروغ دینے کے لئے متعدد بند اور نہریں تعمیر کیں۔ اس نے اپنے ممالک محروسہ میں کشادہ شاہراہیں تعمیر کر کے اس پر گزرنے والے تجارتی قافلوں کے تحفظ کے انتظامات کئے۔ اس کے تعمیر کردہ رفاہ عامہ کے کاموں میں غزنی سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر واقع ایک بند تھا، جہاں آبپاشی کے لئے دریائے ناوار کا پانی دو سو گز لمبے ایک تالاب میں جمع کیا جاتا تھا۔ یہ اب بھی موجود ہے۔ اور استعمال کیا جاتا ہے۔

مغربی مورخین سلطان محمود کے دارالخلافہ غزنی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ سرجان مارشل نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے:

"پوری خلافت (عباسیہ) میں کوئی شہر غزنی کی عمارتوں کی شان وشوکت کو نہیں پا سکتا تھا۔"

لین پول نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور خلافت عباسیہ کے متعدد شاندار شہروں میں غزنی کو شاندار ترین قرار دیا ہے، جو قزاقوں کے ایک اڈہ سے ترقی کر کے مشرق کا سب سے عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔

سلطان محمود دنیا میں علوم وفنون کے سب سے بڑے سرپرستوں میں شمار کیا جاتا ہے جس کا دربار اس زمانے میں علوم وفنون کے روشن ترین ستاروں سے مزین تھا۔ سلطان علماء اور مفکرین کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا۔ لین پول رقم طراز ہے:

"یہ نہ تھکنے والا انسان جس نے ہندوستان میں ایک دیار کی طرح سینکڑوں میل تک علاقوں کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ اور ایک عقاب کی طرح ہمدان پر جھپٹا اور بغداد کے قریب پہنچ گیا۔ اپنی محفلوں میں شعراء کے کلام اور صوفیاء کی پُرمغز گفتگو سے لطف اندوز ہوتا تھا۔"

سلطان نے علوم وفنون کے ماہرین پر جتنی دولت صرف کی اس کی نظیر تاریخ عالم میں مشکل سے ملتی ہے۔ غزنی میں اس نے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جس میں چہار دانگ عالم سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں منگا کر رکھی گئی

تھیں۔ اس کے دربار سے چار سو سے زیادہ شعراء منسلک تھے۔ سلطان بذاتِ خود ایک اچھا شاعر اور ادیب تھا۔ اسے دانشوروں کی صحبت میں بہت لطف آتا تھا۔ پروفیسر محمد حبیب نے بالکل درست لکھا ہے کہ:

"فارسی ادب کی نشاۃ ثانیہ کے سرپرستوں میں وہ (محمود) بلند ترین مقام رکھتا ہے۔"

سلطان کے دربار سے جو عظیم دانشور منسلک تھے، ان میں شہرۂ آفاق ہمہ داں مفکر ابوریحان بیرونی۔ نامور فلسفی اور موسیقی داں فارابی۔ فلسفی شاعر عنصری۔ مزاحیہ شاعر منوچہری۔ مشہور شاعر اسجدی اور فارسی کا عظیم رزمیہ شاعر اور شاہنامہ کا مصنف فردوسی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

دنیائے اسلام کا یہ عظیم فاتح اور علوم و فنون کا شہرہ آفاق سرپرست چالیس سال حکومت کرنے کے بعد ترسیٹھ سال کی عمر میں ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گیا۔

سُلطان صلاحُ الدّین ایّوبی

صلیبی جنگوں کا ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی جس نے تن تنہا یورپ کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کیا اور یورپین حکمرانوں کی متحدہ افواج کے سیلاب کو پیچھے ڈھکیل دیا۔ ۱۱۳۷ء میں قلعہ تکریت میں پیدا ہوا۔ وہ ایک عظیم فاتح اور خدا ترس انسان تھا۔ دنیا نے اس سے زیادہ بہادر اور رحم دل فاتح شاید ہی کبھی دیکھا ہوگا۔

صلیبی لڑائیاں جن کا زمانہ عیسائی مورخوں کے قول کے مطابق گیارہویں سے سولھویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے اور جو تاریخ عالم کی سب سے خوفناک لڑائی خیال کی جاتی ہے۔ بیت المقدس کے مقدس شہر کے حصول کے لئے لڑی گئی۔ فرانسیسی مورخ میچاڈ کے قول کے مطابق ساٹھ لاکھ بندگان خدا اس لڑائی میں کام آئے۔ گیارہویں صدی میں جہالت کے ظلم وستم کا طوفان جسے مغربی تاریخ میں صلیبی یا مذہبی جنگ کے نام سے پکارا جاتا ہے اپنے پورے

زور شور سے مغربی ایشیا پر ٹوٹ پڑا۔ عیسائی مورخین کروسیڈ (صلیبی لڑائیوں) کو بہادری کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن فرانسیسی مورخ میچاڈ کے قول کے مطابق:

"صلیبی لڑائیاں تاریخ عالم کا نہایت افسوسناک اور مخبوط الحواسی کا ذلیل ترین باب ہیں۔ تقریباً تین صدیوں تک دنیائے عیسائیت مسلمانوں کو لگاتار پریشان کرتی رہی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کی ناکامیوں اور شکست نے ان کے زور کو کم کر دیا اور ان کے عقائد کو بھی متزلزل کر دیا۔ یورپ آدمی اور دولت سے خالی ہو گیا۔ وہ تمام مظالم جہانتک ہمارا ذہن پہنچ سکتا ہے، عیسائی بہادروں نے ڈھائے۔"

دوسرا یورپین مورخ رابسن رقم طراز ہے:

"پوپ اور دوسرے مکار اور حریص پادری صلیبی لڑائیوں کے اصل محرک اور عموماً معاون تھے اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ اس مذہبی تعصب۔ دیوانہ پن اور تعصب کی لڑائیوں سے عوام الناس کے دلوں پر قبضہ کیا جائے۔ متعصبوں کو وہ بہشت کا وعدہ یاد دلاتے۔ حریصوں کو ملک اور دولت کا۔ بدکاروں اور بدمعاشوں کو ان کے افعال قبیحہ کی آزادی کا۔ مجرموں اور گنہگاروں کو معافی کا اور سب کو نجات کا۔"

صلیبی لڑائیوں کا اصل محرک پیٹر ہرمٹ تھا۔ اس کی آواز میں

جادو تھا اور اس نے سارے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی۔ اور انھیں بیت المقدس پر بزور شمشیر قبضہ کرنے پر آمادہ کیا۔

اسلامی حکومتوں کا چراغ اس وقت ٹمٹما رہا تھا۔ ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا تھا خلافت عباسیہ برائے نام رہ گئی تھی۔ مصر میں خلافت فاطمین بھی وزرائے کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو کر رہ گئی تھی۔ خلفائے قاہرہ رات دن عیش و عشرت میں غرق رہتے تھے۔ مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یورپ کے حکمرانوں کی ٹڈی دل فوج جس کی کمان یورپ کے متعدد حکمراں کر رہے تھے اور جس میں یورپ کے نامور بہادر شامل تھے، پے در پے مغربی ایشیا شام اور فلسطین پر حملہ آور ہوئی۔ آخر کار صلیبیوں نے ۶ جون ۱۰۹۹ء کو بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان محصورین نے بڑی دلاوری سے عیسائیوں کا مقابلہ کیا لیکن بیت المقدس میں محصور مقامی عیسائیوں نے مخبری کی اور ایک شب فصیل سے سیڑھی لگا کر انھیں شہر کے اندر داخل کرا دیا۔ صلیبیوں نے بیت المقدس کے شہر کے اندر نہتے اور پناہ گزین مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے" تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ عیسائی مورخ مچاڈ کے قول کے مطابق:

"جب عیسائی مسجد عمر پر قابض ہو گئے جس میں مسلمانوں نے پناہ لی تھی تو ایک ہیبتناک تکرار اس خونریزی اور قتل عام کا شروع ہوا جو ٹیٹس کی فتح کے وقت ہوا تھا۔ سوار اور پیادے مسجد میں داخل ہو کر گڈ مڈ ہو گئے۔ اس مہیب ہنگامے کے درمیان سوائے گریہ و زاری اور موت کی چیخوں کے کچھ سنائی نہیں دیتا

تھا۔"

ریمنڈ دی اگلیس کا چشم دید بیان ہے:

"مسجد کے اندر اور صحن میں مقتولین کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں اور لگاموں تک پہنچ گیا تھا۔"

مورخ جوسفس کہتا ہے کہ:

"یردن پہاڑان جگر پاش چیخوں سے جو معبد سے نکل رہی تھیں گونج رہا تھا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس کی سڑکوں اور بازاروں میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ نہ عورتوں کی گریہ وزاری نہ بچوں کی کی چیخیں نہ اس مکان کا لحاظ جہاں مسیح نے اپنے قاتلوں کو معافی دی تھی غضبناک فاتحین (عیسائیوں) کے دلوں کو نرم کر سکا۔"

صلیبیوں کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو قدرت نے صلاح الدین ایوبی کو پیدا کیا۔ صلاح الدین کے باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیرکوہ سلطان نورالدین زنگی کے مقرب خاص تھے۔ نجم الدین ایوب دمشق کے حاکم اور شیرکوہ زنگی افواج کے سپہ سالار تھے۔

صلاح الدین نے جو ۱۱۳۷ء میں قلعہ تکریت میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم پائی۔ ۱۱۶۵ء میں شیرکوہ سلطان مصر کے وزیر مقرر ہوئے، لیکن اسی سال ان کے انتقال کے بعد یہ منصب صلاح الدین کو ملا۔ وہ زنگی کے ممالک محروسہ میں بہت ہر دلعزیز تھے اور ۱۵ مئی ۱۱۷۴ء کو نامور زنگی کے انتقال کے بعد

صلاح الدین ایوبی مصر کے حکمراں مقرر ہوئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی مغربی ایشیا کی چھوٹی چھوٹی مسلمان حکومتوں سے نپٹنے اور انھیں متحد کرنے کے بعد عیسائیوں کی بیخ کنی کے لئے تیار ہوئے جو مسلمانوں کے جان ومال پر ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ بالڈون شاہ یروشلم کے زمانے میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں معاہدہ ہوگیا تھا، لیکن عیسائیوں نے اس معاہدہ کی پابندی نہیں کی۔ والی کرک رینالڈ ڈی چیتلان نے جس کو مسلمان ہنفری کے نام سے پکارتے تھے اس معاہدہ کے خلاف مسلمانوں کے مال ومتاع کو تاراج کرنا شروع کیا۔ اور حاجیوں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر انھیں تہ تیغ کردیا۔ اس نے بری اور بحری افواج بھیج کر حرمین شریفین کو بھی تاخت وتاراج کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی اس نے مصری فوج کا ایک دستہ بھیج کر عیسائیوں کی فوج کا خاتمہ کردیا۔ عیسائی مورخ آرچر لکھتا ہے:

"حاجیوں کے کارواں پر حملہ یروشلم کی تباہی کا باعث ہوا۔
صلاح الدین نے جہاد کا نقارہ بجادیا۔"

یکم محرم ۵۸۳ ہجری کو سلطان دمشق سے ایک بڑے لشکر کو لے کر نکلا۔ عیسائیوں نے مقابلہ کیا۔ انھیں شکست فاش ہوئی۔ صرف تین عیسائی زندہ بچے۔ سلطان کو خبر ہوئی کہ عیسائیوں کی ایک لاکھ فوج صفوریہ میں خیمہ زن ہے سلطان نے ادھر کا رخ کیا اور بحیرۂ طبریہ کے غربی پہاڑ میں عیسائیوں کے قریب جا پہنچا۔ لیکن عیسائی فوجوں نے حرکت نہ کی۔ سلطان اپنے لشکر کے بڑے

حصہ کو وہیں چھوڑ کر طبریہ کی جانب چلا گیا۔ اور بڑی سرعت کے ساتھ طبریہ کے قلعہ کو فتح کر کے اہالیان طبریہ سے صلح کر لی۔ عیسائیوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو طبریہ کو آزاد کرانے کے لئے انھوں نے حرکت کی۔ سلطان اس بات کا منتظر تھا۔ خبر پاکر سلطان وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنی فوج کو جبل طبریہ کی بلندیوں پر اس طرح آراستہ کیا کہ عیسائی فوج تین طرف سے گھر گئی۔ ایک جانب جھیل تھی۔ اسلامی فوجوں نے تیر برسانا شروع کئے اور پے در پے حملے کئے جس سے عیسائیوں کے پیر اکھڑ گئے اور انھوں نے کوہ حطین کے دامن میں پناہ لینا چاہی جہاں ان کا قتل عام ہوا۔ حطین کی زمین عیسائیوں کی لاشوں سے پٹ گئی۔ خون کا دریا جاری ہو گیا۔ تیس ہزار عیسائی قیدی بنائے گئے جس میں فلسطین کے سارے بڑے بڑے عیسائی سردار معہ شاہ یروشلم اور دغا باز ہنفری کے سلطان کے قیدی تھے۔ شاہ یروشلم کی سلطان نے بڑی تعظیم کی اور بعد ازاں رہا کر دیا۔ لیکن اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے اس نے دغا باز اور فریبی ہنفری کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کیا۔

سلطان نے بعد ازاں عکہ کی جانب کوچ کیا جس نے بقول مچاڈ

"اس سے قبل مغرب کی نہایت طاقتور فوجوں کا تین سال تک مقابلہ کیا تھا، دو دن بھی سلطان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکا۔"

سلطان نے اہالیان عکہ کو امان اور آزادی دی۔ اور بہت قلیل عرصے میں شام اور فلسطین کے سارے ساحلی علاقہ کو جس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا

فتح کرلیا۔ بعدازاں مشہور شہر عسقلان کو بھی فتح کرلیا۔

ساحلی علاقے کو فتح کرنے کے بعد سلطان بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوا جس میں ساٹھ ہزار عیسائی فوج مقیم تھی۔ سلطان نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور آخر کار ۱۱۸۷ء میں اسلامی پرچم بیت المقدس میں لہرادیا۔ سلطان کا وہ سلوک جو اس نے عیسائی محصورین کے ساتھ کیا اسلامی فیاضی۔ رحم اور حسن سلوک کی ایک ایسی مثال ہے جس پر خونخوار عیسائی دنیا کو مسلمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا چاہیے۔ سلطان نے سارے محصورین کو برائے نام جزیہ لے کر رہا کردیا۔ عیسائی ملکہ اور امراء اپنا مال ومتاع لے کر امن و امان سے یروشلم سے روانہ ہوئے۔ اور انھوں نے غریب عیسائیوں کا جزیہ دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ جب غریب عیسائی جزیہ ادا نہ کرسکے تو ان کا جزیہ سلطان اور ان کے بھائی ملک العادل نے اپنے پاس سے ادا کیا۔ اس کے برخلاف اس سے تقریباً ایک صدی قبل جب عیسائیوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا تو ستر ہزار مسلمانوں کو اس شہر کے اندر شہید کیا تھا۔ اور مسلمانوں کا خون مسجد عمر میں گھوڑوں کی لگاموں تک پہنچ گیا تھا۔ ریمنڈ والی انطاکیہ نے فتح بیت المقدس کے وقت جو خط پاپائے اعظم کو لکھا تھا اس میں تحریر کیا تھا:

"اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے ان دشمنوں کے ساتھ جن کو ہم نے شہر میں پایا، کیا سلوک کیا تو آپ کو بتایا جاتا ہے کہ رواق سلیمان۔ مسجد عمر اور گرجا میں ہمارے گھوڑے گھٹنوں تک مسلمانوں کے ناپاک خون میں چلتے تھے۔"

فتح بیت المقدس کے بعد عیسائی عورتوں نے سلطان سے درخواست

کی کہ ان کے آدمیوں کو جو جنگ میں قید ہوئے تھے رہا کیا جائے کیونکہ ان کے بغیر ان کی زندگی بیکار ہے۔ اس پر عیسائی مورخ میچاڈ لکھتا ہے:

"سلطان ان کی درخواست سے متاثر ہوا اور ان شکستہ دل خاندانوں کی مصیبتوں کو دور کرنے کا وعدہ کیا۔ بچے ان کی ماؤں کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ خاوندوں کو ان کی بیویوں کے پاس بھیجدیا گیا۔ بعض عیسائی اپنے کندھوں پر اپنے ضعیف العمر والدین کو اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر سلطان صلاح الدین کا دل بھر آیا۔ اس نے اپنے دشمنوں کو قیمتی تحائف دیئے اور ان مصیبت زدوں پر رحم فرمایا۔"

مسلمانوں کی فتح بیت المقدس کی خبر جب یورپ میں پہنچی تو عیسائیوں کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ پاپائے اعظم صدمہ سے مر گیا۔ گھر گھر اس کا ماتم کیا گیا۔

تیسرے کروسیڈ کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہونے لگیں۔ تمام عیسائی ممالک میں "صلاح الدین فنڈ" جنگ کو جاری رکھنے کے لئے قائم کیا گیا۔ جو اس فنڈ میں چندہ نہیں دیتا تھا اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ شہنشاہ فرانس اور انگلستان اپنی دیرینہ دشمنی کو فراموش کر کے بیت المقدس کو آزاد کرانے ارض مقدس کو روانہ ہوئے۔ جرمنی کا سب سے نامور شہنشاہ فریڈرک باربروسہ ایک لاکھ فوج لے کر خشکی کے راستے فلسطین کو روانہ ہوا۔ راستے میں اسے بیشمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، وہ خود دریائے سلف میں

ڈوب کر مر گیا اور یروشلم تک پہنچنا بھی اُسے نصیب نہ ہوا۔

اس کے بعد عکہ کا مشہور اور طولانی محاصرہ شروع ہوا۔ جو تین سال تک جاری رہا۔ یورپ کی پوری طاقت اس شہر کو فتح کرنے پر صرف ہو گئی۔ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ شیر دل اور فرانس کے شہنشاہ لوئیس بھی اس محاصرہ میں شریک ہو گئے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کی یقین دہانیوں پر آخر کار شہر کو عیسائیوں کے حوالہ کر دیا۔ اس واقعہ کو عیسائی مورخ مچاڈ یوں بیان کرتا ہے:

"ایک مسلمان سپاہی عکہ سے سلطان کے پاس بھیجا گیا کہ اس کو اس بات کی اطلاع کر دے کہ شہر امان مانگنے پر مجبور ہوا ہے سلطان جو اس شہر کو بچانے کی آخری کوشش کر رہا تھا، اس کو سن کر دل گرفتہ ہوا، اس نے اپنے مشیروں کو اس صورت حال سے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع کیا۔ لیکن ابھی وہ جمع بھی نہیں ہوئے تھے کہ انھوں نے عیسائیوں کے پرچم کو شہر کی فصیل پر اڑتے دیکھا۔"

محصورین عکہ سے کئے ہوئے عہد کے خلاف انگلستان کے شیر دل بادشاہ رچرڈ نے عکہ کے پانچ ہزار مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ سلطان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس کے رنج کی انتہا نہ رہی اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ عیسائیوں سے اس خون کا بدلہ نہ لے گا چین سے نہیں بیٹھے گا۔

رچرڈ یہ خون ناحق کر کے قیصاریہ کی جانب فوج لے کر بڑھا۔ سلطان کی فوجوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ سلطان ایک بھوکے شیر کی طرح

عیسائیوں پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ اور ان کا قلع قمع کرکے لوٹ جاتا تھا۔ سلطان کی اس مستعدی نے رچرڈ کی ہمت پست کردی، اس نے سلطان سے صلح کی درخواست کی جو سلطان کے شرائط پر منظور کی گئی۔ فرانیسسی مورخ مچاڈ تیسرے کروسیڈ کے اختتام کے متعلق لکھتا ہے:

"تیسرا کروسیڈ (تیسری صلیبی جنگ) اس طرح ختم ہوگیا جس میں مغرب کی تمام مسلح طاقتوں نے عکہ کی فتح اور عسقلاں کی بربادی سے بڑھ کر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اس میں جرمنی نے اپنے شہنشاہوں میں سے ایک سب سے بڑا شہنشاہ اور فوجوں میں سب سے عمدہ فوج کھودی۔ عکہ کے سامنے چھ لاکھ صلیبی جنگجو آئے اور مشکل سے ایک لاکھ اپنے وطنوں کو واپس گئے۔ یورپ کو ان نقصانات پر نوحہ کرنے کے اور بھی وجوہات ہیں، کیونکہ اس مہم میں پہلی مہموں کی بہ نسبت بہت عمدہ فوجیں آئی تھیں، مغرب کو اپنے جن نامور جنگجوؤں پر فخر تھا ان سب نے اس جنگ میں ہتھیار اٹھائے تھے۔"

صلیبی جنگوں سے فارغ ہوکر سلطان صلاح الدین زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا۔ ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کو اس کا دمشق میں انتقال ہوگیا۔ ایک مورخ کا قول ہے:

"سلطان کی وفات کا دن دنیائے اسلام میں مصیبت کا دن تھا محل سلطنت بلکہ ساری دنیا پر غم واندوہ چھایا ہوا تھا۔ اہالیان

دمشق نے جو غم سے نڈھال ہو رہے تھے روتے اور چیختے ہوئے سلطان کے جنازہ کا ساتھ دیا۔ سینکڑوں بار سلطان کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ مرنے سے قبل سلطان نے عوام

میں بے انتہا خیرات تقسیم کی۔ قاصد جو سلطان کی وفات کی خبر بغداد لایا، وہ اپنے ساتھ سلطان کا گھوڑا۔ زرہ بکتر۔ ایک دینار اور ۳۶ درہم لایا، جو مرنے والے سلطان کی ساری پونجی تھی۔ سلطان بہت دیندار۔ رحم دل۔ فیاض۔ اور علم دوست انسان تھا۔ سارا یورپ اس کے نام سے کانپتا تھا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی حکمراں اپنی قوم میں اتنا ہردلعزیز ہوا ہو۔ بقول امیر علی:

"دنیا نے ابھی تک اس سے زیادہ بہادر اور اولوالعزم حکمراں پیدا نہیں کیا۔"

سلطان شہاب الدین غوری

افغانستان کے تاریخی شہر ہرات کے مشرق میں چہار جانب پہاڑوں سے گھرا ہوا غور کا قصبہ واقع ہے، جو ۱۱۵۷ء میں بڑی اہمیت اختیار کر گیا۔ اسی سال سلطان غیاث الدین غوری غور کے تخت پر متمکن ہوا۔ دسویں صدی عیسوی میں سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں یہ علاقہ اس کی وسیع سلطنت میں شامل تھا لیکن اس کے بیٹے سلطان مسعود کے انتقال کے بعد غزنوی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور غور کا شہر غوریوں کے قبضے میں چلا گیا۔

شہاب الدین غوری اپنے بھائی سلطان غیاث الدین غوری کا دست راست تھا۔ اور انتظام سلطنت نیز فوجی فتوحات میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

جب سلطان غیاث الدین غوری خراسان کے مشرقی علاقوں کی تسخیر میں مشغول تھا، شہاب الدین غوری شمالی ہندوستان میں ایک اسلامی سلطنت قائم کرنے میں مصروف تھا۔ ۱۱۷۶ء میں شہاب الدین غوری نے پنجاب کے دریاؤں

کے سنگم پر واقع اوچ کے اہم شہر پر حملہ کیا، جہاں اس نے بھٹی راجپوتوں کو شکست دی بعد ازاں اس نے قرامطوں کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۱۷۸ء میں وہ پورے سندھ کو فتح کرتا ہوا ساحل سمندر تک جا پہنچا۔ ۱۱۸۶ء میں اس نے لاہور پر حملہ کر کے ہندوستان میں آخری غزنوی حکمراں خسرو کو قلعہ میں قید کر دیا۔ اس طرح اس نے دریائے ستلج کے مغرب برصغیر کے سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کی اگلی منزل دہلی تھی جس پر اجمیر اور دہلی کا مشہور راجہ پرتھوی رائے راٹھور حکمراں تھا۔ دہلی کی جانب مراجعت کرتے ہوئے سرہند پر قبضہ کر کے وہ پانی پت کی جانب بڑھا۔ تھانیسور سے چودہ میل شمال کی طرف ترائن کے مقام پر ۱۱۹۱ء میں اسے ایک زبردست ہندو فوج کا سامنا کرنا پڑا جس میں دو لاکھ سوار اور تین سو جنگی ہاتھی تھے۔ سارے ہندوستان کے ہندو راجاؤں کی اس متحدہ فوج کی کمان پرتھوی راج راٹھور بذاتِ خود کر رہا تھا۔ شہاب الدین غوری کی مختصر فوج کا ہندوؤں کے اس زبردست لشکر کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ لیکن غوری نے ہمت نہ ہاری اور بڑی بے جگری اور دلیری سے اس نے ہندوؤں کے اس زبردست لشکر کا مقابلہ کیا۔ راجپوتوں کے اس ٹڈی دل لشکر نے آخر کار مسلمانوں کی مختصر فوج کو چہار جانب سے گھیرے میں لے لیا۔ شہاب الدین غوری جو قلب کی کمان کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے قلب پر متعدد سخت حملے کئے راجپوتوں کے قلب کی کمان پرتھوی راج کے بھائی اور مشہور ہندو جنرل گوبند رائے کے ہاتھ میں تھی۔ شہاب الدین غوری نے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں ایک بار پھر ہندوؤں کے قلب پر شدید حملہ کیا اور راجپوتوں کے

پرے کے پرے کاٹتا ہوا گووند رائے تک جا پہنچا۔ اور جھپٹ کر اس پر تلوار کا بھرپور وار کیا، لیکن وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اور گھوڑے سے نیچے آرہا۔ مسلمانوں کی مختصر فوج جو ہندو لشکر کے سمندر میں گھری ہوئی تڑپی۔ بے جگری سے لڑ رہی تھی۔ اپنے سردار کے غائب ہو جانے سے دل شکستہ ہو گئی۔ یہ خیال کر کے کہ شہاب الدین مارا گیا، اس نے راہ فرار اختیار کی۔ ایک خلجی سوار نے اپنے سردار شہاب الدین غوری کو جو شدید زخمی تھا اپنے گھوڑے پر لاد کر محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔

شہاب الدین غوری کو اس ناگہانی شکست کا سخت صدمہ ہوا۔ اس کا دل اس توہین کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ پرتھوی راج راٹھور سے اس شکست کا بدلہ نہ لے گا بستر پر آرام نہ کرے گا اور نہ کسی قسم کی خوشی اور شادمانی کی محفلوں میں شریک ہوگا۔

شہاب الدین غوری اس وقت سے برابر تیاری میں مصروف رہا۔ ہندوؤں سے شکست لینے کا خیال اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ رات دن میں کسی وقت وہ چین سے نہیں بیٹھتا اور یہ خیال اسے ہر وقت پریشان کرتا رہتا۔ دوسرے سال ہی وہ بہادر افغانوں کی فوج لے کر ہندوستان میں داخل ہوا۔ پرتھوی راج راٹھور نے جو غوریوں کے خلاف ترائن میں اپنی فتح سے بہت مغرور ہو گیا تھا ہندو راجاؤں کی ایک زبردست متحدہ فوج جمع کی جو مسلمانوں کو ایک بار پھر سبق پڑھانے کے لئے بے چین تھی اور مسلم خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک سال بعد اسی میدان میں ترائن کے مقام پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جو صبح سے غروب آفتاب

تک جاری رہی۔ اس میں ہندوؤں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوؤں کے بہترین جرنل سوارشی اور گووندرے مارے گئے اور وہ اپنے لاکھوں سپاہیوں کی لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ پرتھوی راج راٹھور کا پیچھا کیا گیا گرفتار کرکے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ہندوستان کے اب کسی راجپوت حکمراں میں اتنی طاقت نہیں تھی، جو شہاب الدین غوری کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ غوری کسی رکاوٹ اور مقابلہ کے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ سرتی۔ سمارا اور ہانسی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بعد ازاں شہاب الدین غوری نے چوہان راجپوتوں کے صدر مقام اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ یہاں اس نے سلطان الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں حاضر ہو کر خواجہ صاحب سے مسلمانوں کی کامیابی کی دعا کرنے کی درخواست کی، خواجہ صاحب راٹھور حکمرانوں کے خلاف روحانی جہاد میں مصروف تھے اور اجمیر میں عرصہ دراز سے مقیم تھے۔ شہاب الدین غوری نے اجمیر میں متعدد مساجد اور مدرسے تعمیر کرائے۔

ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد شہاب الدین غوری غزنی لوٹ گیا، اور ہندوستانی مقبوضات وہ اپنے جرنل قطب الدین ایبک کے سپرد کر گیا۔ جس نے جلد ہی میرٹھ اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ دہلی کو اس نے غوری سلطنت کا مستقر بنایا۔

شہاب الدین غوری ۱۱۹۴ء ایک بار پھر ہندوستان آیا۔ اب اسکی منزل قنوج تھی۔ جو ایک طاقتور راجپوت ریاست کا دارالخلافہ تھا۔ جس پر پرتھوی راج راٹھور کا بھائی جے چند حکمراں تھا۔ مسلمانوں نے اس مقام پر

راجپوتوں کو شکست فاش دی۔ راجہ جے چند میدان جنگ میں مارا گیا۔ شہاب الدین غوری نے قنوج اور اسنی پر قبضہ کر لیا۔ قنوج میں اسے ایک بڑا خزانہ ہاتھ آیا۔ جو راجہ جے چند کی ملکیت تھا۔ شہاب الدین غوری تیزی سے بڑھتا ہوا بنارس تک جا پہنچا۔ اب پشاور سے بنارس تک سارے علاقہ پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا۔ قنوج کی فتح نے ان کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا، اور اب کوئی رکاوٹ ان کے راستے میں حائل نہ تھی۔

قطب الدین ایبک، جو ایک ترکی غلام تھا۔ ایک بہت نامور جرنل اور منتظم ثابت ہوا۔ اس نے ہندوستان میں شہاب الدین غوری کے ممالک محروسہ میں بہترین انتظام کیا اور اس طرح اس کی فتوحات کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر کے صحیح معنوں میں شمالی ہندوستان میں پہلی مسلمان حکومت کی بنا ڈالی۔ قطب الدین ایبک نے بعد ازاں جنوب میں کاٹھیاواڑ اور گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۲۰۲ء میں کالنجر اور کالپی کے مشہور قلعوں پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔

بعد ازاں قطب الدین ایبک کے مشہور جرنل بختیار خلجی نے بہار کو فتح کر لیا۔ اور اٹھارہ سواروں کو لے کر بنگال کے ہندو راجہ کے مستقر پر چڑھ دوڑا۔ راجہ اس ناگہانی حملے سے اتنا خوفزدہ ہوا کہ محل سے بھاگ کھڑا ہوا، اور اس طرح بختیار خلجی نے اٹھارہ سواروں کے ذریعے بنگال کی وسیع سلطنت کو فتح کرنے کا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

شہاب الدین غوری خراسان میں باغیوں کی سرکوبی میں مصروف تھا، جب ۱۲۰۲ء میں اُسے بڑے بھائی سلطان غیاث الدین غوری کے انتقال کی خبر ملی، وہ فی الفور غزنی کو روانہ ہوا جہاں وہ غوری سلطنت

کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی باقیماندہ زندگی خراسان میں باغیوں کی سرکوبی میں گزری۔ ۱۴ مارچ ۱۲۰۶ء میں چند گکھڑوں نے اس عظیم سلطان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اسے غزنی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

سلطان شہاب الدین غوری، درحقیقت پہلا مسلمان حکمراں تھا جسے شمالی ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی، جو تقریباً سات سو سال تک قائم رہی۔ وہ ایک شجاع، انصاف پسند اور باصلاحیت حکمراں تھا۔ فرشتہ کے قول کے مطابق:

"محمد غوری ایک انصاف پرور حکمراں تھا جس کے دل میں خوفِ خدا جاگزیں تھا اور جو ہمیشہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہتا تھا۔ وہ علما، صلحا اور روحانی پیشواؤں کا بڑا احترام کرتا اور ان کی خدمت، اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتا تھا۔"

بختیار خلجی

سلطان شہاب الدین غوری نے شمالی ہندوستان میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اس کا قیام اگرچہ زیادہ تر افغانستان میں رہا، لیکن ہندوستان میں اس کا نائب قطب الدین ایبک بہت نامور جنرل اور منتظم ثابت ہوا۔ دہلی کو اس نے اپنا مستقر بنا کر شمالی۔ مشرقی اور وسطی ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع کیا، اور سلطان شہاب الدین کے انتقال کے بعد ہندوستان میں خاندان غلامان کا وہ پہلا فرمانروا ہوا۔

سلطان محمد غوری کے دور کے جنرلوں میں بختیار خلجی کو ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل ہے۔ ۱۱۹۹ء میں اس نے صرف اٹھارہ سواروں کی مدد سے بنگال کی وسیع ہندو سلطنت پر قبضہ کر کے ایک عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ اس مہم میں بختیار خلجی نے جس دلیری اور جوانمردی کا ثبوت دیا وہ تاریخ حرب میں سنہرے حروف سے لکھی جانے کے قابل ہے۔ اور تاریخ میں اسکی

بہت کم مثال ملتی ہے۔ اسی قسم کی ایک نادر مثال ہمیں اسلام کے ابتدائی دور میں ملتی ہے۔ جب سیف اللہ حضرت خالد بن ولید نے جنگ یرموک میں صرف ساٹھ مسلمان بہادروں کو لے کر جبلہ بن غسان کے ساٹھ ہزار عرب عیسائی فوجیوں کو مار بھگایا تھا۔

محمد بختیار جو غور کے ایک خلجی خاندان کا چشم و چراغ تھا، ایک بہت جری اور بہادر نیز بھاری ڈیل ڈول کا شخص تھا۔ اس کی غیر معمولی شخصیت کا رعب دشمن کے دل پر پڑتا تھا۔ اس کے ہاتھ غیر معمولی طور پر لانبے تھے۔ جن کی مدد سے میدان جنگ میں وہ دشمن کو دور ہی سے زیر کر لیتا تھا اور اس کو اپنے نزدیک آنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

بختیار خلجی غور سے مراجعت کر کے غزنی آیا۔ یہاں وہ سلطان معز الدین کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ یہاں وہ زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکا۔ یہاں سے روانہ ہو کر وہ دہلی آیا اور وہاں سے بدایوں چلا گیا۔ بعد ازاں اس نے ملک حسام الدین کی ملازمت کر لی جہاں اُسے سہلات اور سہلی کے گاؤں جاگیر میں ملے۔ اُسے اچھے گھوڑے رکھنے کا بڑا شوق تھا۔ ان کی مدد سے اس نے بہار کے علاقے مونگیر پر متعدد کامیاب حملے کئے۔ ان حملوں کی خبر آخر کار قطب الدین ایبک تک پہنچی جو دہلی میں سلطان شہاب الدین غوری کے نائب تھے۔ قطب الدین ایبک نے بختیار خلجی پر عنایات کی بارش کی۔ بختیار خلجی نے دو سو سواروں کی معیت میں بہار کے قلعے پر حملہ کر کے اس پر بڑی چابک دستی اور بہادری سے قبضہ کر لیا۔ اس قلعہ میں

برہمنوں کی بڑی تعداد سکونت پذیر تھی، جنھوں نے کسی مدافعت کے بغیر بختیار خلجی کی اطاعت قبول کرلی۔

سلطان دہلی نے بختیار خلجی کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اپنے دربار میں اسے اہم مقام عطا کیا۔ اور اسے بیش بہا تحائف پیش کئے۔ ان عنایات نے بختیار خلجی کو سلطان دہلی کے دیگر درباریوں کے بغض وعناد کا نشانہ بنادیا۔

ہندوستان کے مشرقی علاقے بہار۔ بنگال اور آسام میں بختیار خلجی کے شدید حملوں اور اس کی غیر معمولی شخصیت سے ہیبت طاری ہوگئی تھی۔ بنگال کے ہندو راجہ لکھشمن اس بہادر مسلمان جنرل کے کارناموں سے سخت خوفزدہ تھا۔ اس کے جوتشیوں اور پنڈتوں نے پیشین گوئی کردی تھی کہ بختیار خلجی ان کی طویل حکومت کے اختتام کا باعث ہوگا۔ جوتشیوں نے اپنی کتابوں سے بختیار خلجی کا جو حلیہ بیان کیا تھا اس کی تصدیق کرنے کے لئے بنگال کے راجہ نے اپنے آدمی بہار روانہ کئے۔ جنھوں نے آکر اس کی تصدیق کردی۔

آخر کار وہ دن آہی گیا جس کا راجہ کو اندیشہ تھا۔ ۱۱۹۹ء میں بختیار خلجی ایک مختصر فوج لے کر بنگال فتح کرنے روانہ ہوا۔ ایک دن وہ اٹھارہ سواروں کا ہراول دستہ لے کر بنگال کے دارالخلافہ ندیا کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ ہندو راجہ جس نے بختیار خلجی سے مقابلہ کرنے کی پوری تیاری کر رکھی تھی، اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے پہرہ دار سپاہی جنھیں اس نے قلعہ کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا۔ بہادر خلجی اور اس کے سواروں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے۔ اور کائی کی طرح پھٹ گئے۔ ان

میں سے زیادہ تر مارے گئے اور باقیماندہ نے راہ فرار اختیار کی۔ بختیار خلجی محل کی جانب سرعت کے ساتھ بڑھا۔ راجہ کو جب معلوم ہوا تو بدحواسی میں ننگے پاؤں وہ چور دروازے سے بھاگ نکلا۔ اور اپنی عورتیں، بچے اور خزانے بختیار کے لئے چھوڑ گیا۔ بختیار خلجی کی باقیماندہ فوج جب ندیا پہنچی تو انھوں نے اپنے سردار کو اس پر قابض پایا۔ اس طرح بنگال کی وسیع اور شاندار ہندو سلطنت بختیار خلجی کے اٹھارہ سواروں نے فتح کر کے ایک عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

بختیار خلجی ایک انتہائی جری اور فعال انسان تھا نچلا بیٹھنا وہ نہیں جانتا تھا۔ آرام پسندی سے اسے نفرت تھی۔ آخر کار وہ آسام اور تبت کی مہموں پر روانہ ہوا۔ اس کا ارادہ ان علاقوں کو فتح کرنا تھا۔ دس ہزار سواروں کو لے کر وہ دریائے برہم پتر کی وادی میں بڑھتا چلا گیا۔ اس نے کوچ بہار فتح کر لیا اور اس دشوار گزار علاقے میں ساری مشکلات کو سر کرتا۔ دریاؤں کو پار کرتا اور جنگلات کو عبور کرتا ہوا وہ دریائے برہمپتر کے اس مقام تک جا پہنچا، جہاں سے وہ ہندوستان میں داخل ہوتی ہے ان مہموں میں اُسے ان علاقوں کے باشندوں سے کم، لیکن قدرتی دشواریوں سے زیادہ مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے بیشتر ساتھی دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گئے اور کتنے مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ بختیار خلجی جو شکست سے ناآشنا تھا اپنے ساتھیوں کے بچھڑنے سے بہت دل برداشتہ ہوا۔ آسام کی مرطوب آب و ہوا نے اسے بستر سے لگا دیا اور ۱۲۰۵ء میں یہ بہادر جرنل اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔

سُلطان بایزید یلدرم

ہنگری کے شہر نکوپولیس کے قریب، دریائے ڈینوب کے وسیع میدان میں یورپ کے عیسائی حکمرانوں کی تقریباً تین لاکھ فوج جس کی قیادت فرانس، جرمنی اور ہنگری کے سربراہ کر رہے تھے، ترکوں کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے جمع تھی بہادر ترک افواج اس وقت ہنگری کے دار الخلافہ بڈاپسٹ کے دروازہ پر دستک دے رہی تھیں۔ عیسائیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ:

"اگر آسمان بھی ان پر گر پڑے تو وہ اسے اپنے نیزوں پر سنبھال لیں گے۔"

ترکی سلطان بایزید یلدرم نے اپنی فوجی مہارت، دلیری اور جنگی چالوں سے عیسائیوں کی اس عظیم الشان فوج کو ۱۳۹۶ء میں شکست فاش دی۔

سلطان نے عیسائیوں کو اپنے قلب پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اس نے اپنے قلب کو یکایک پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ عیسائیوں سے خوفزدہ ہو کر ترک میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ عیسائی حکمرانوں نے جب یہ عالم دیکھا تو انھوں نے اور سختی سے حملہ کیا اور کئی میل تک ترکوں کا پیچھا کرتے ہوئے اندر گھستے چلے گئے۔ بعدازاں منصوبہ کے مطابق ترکی میمنہ اور میسرہ نے دونوں جانب سے حملہ کر دیا، اور چاروں طرف سے عیسائیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ گھیرا مکمل ہونے کے بعد سلطان، جو قلب کی قیادت کر رہا تھا۔ یکایک پلٹ پڑا اور گھیرے ہوئے عیسائیوں پر شیر کی طرح حملہ آور ہوا۔ عیسائی کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور انھیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت کم عیسائی جان بچا کر بھاگ سکے۔

سلطان بایزید یلدرم جو سلطان مراد اول کا بیٹا تھا ۷۶۱ ہجری میں پیدا ہوا۔ اسے اعلیٰ تعلیم اور جنگی تربیت دی گئی، وہ ایک پیدائشی سپاہی تھا۔ اور فنون حرب میں اس نے بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ ۱۳۹۱ء میں وہ تخت نشین ہوا۔ وہ ترکوں میں بہت ہر دلعزیز تھا۔ اس نے ایشیائے کوچک کی تین ریاستوں کو فتح کر کے انھیں متحد کیا۔ بعدازاں وہ یورپ کی جانب متوجہ ہوا اور بلقان کی ریاستوں کو فتح کرتا ہوا ہنگری کے دار الخلافہ تک پہنچ گیا۔ اس کی پیدل فوج جو جنیسری کہلاتی تھی اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔

قسطنطنیہ کا بازنطینی شہنشاہ ترکی سلطان بایزید کے رحم و کرم پر تھا اور اس کا باجگزار تھا۔ ایک عیسائی مورخ کے قول کے مطابق وہ نام کا شہنشاہ تھا بایزید قسطنطنیہ کو آسانی سے فتح کر سکتا تھا اور اس کا ارادہ بھی رکھتا تھا لیکن اسے عیسائیوں کی متحدہ افواج سے مقابلہ کرنے کے لئے نکوپولیس جانا پڑا۔

اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد سلطان بایزید نے یونان، بلغاریہ اور سربیا فتح کر لیا۔ وینس اور جنیوا کی عیسائی ریاستوں نے ان فتوحات پر سلطان بایزید کو مبارکباد دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

بلقان کی ریاستوں سے فراغت پانے کے بعد سلطان بایزید نے ایک بار پھر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا جو اس کے مقبوضات میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو اپنے زمانہ کا مستحکم اور مضبوط ترین شہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ محاصرہ نے طول پکڑا تو بازنطینی شہنشاہ مینوئیل نے قسطنطنیہ کو ترکوں کے حوالہ کر دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ ابھی شہر کی حوالگی کی شرائط پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا کہ سلطان بایزید کو ایک نئے خطرے کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ اس طرح قسطنطنیہ ایک بار پھر ترکوں کے ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔

ایشیائے کوچک میں صاحبقراں تیمور کی آمد اور ترکی مقبوضات پر تیمور کے حملوں نے سلطان بایزید کو اس طرف متوجہ کیا۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا کر ایک بڑی فوج لے کر تیزی سے ایشیائے کوچک کی جانب وہ روانہ ہوا۔

تیمور کا شمار دنیا کے عظیم ترین فاتحین میں ہوتا ہے۔ زندگی میں اس نے کبھی شکست نہیں کھائی، وہ ایک مسلمان فاتح تھا اور عیسائیوں کے خلاف سلطان بایزید کی فتوحات کو وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کا بڑا مداح تھا لیکن بغداد کے سلطان احمد کے معاملے میں اسے سلطان بایزید سے رنجش ہو گئی تھی اور جب اس نے بایزید سے اس کی شکایت کی تو بایزید نے

اس کا بڑا بدتمیزی اور سختی سے جواب دیا۔ صاحبقراں تیمور ایسا عظیم فاتح بھلا ایسے تلخ جواب کا کب عادی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دو عظیم فاتحین جو اس وقت دنیا کے عظیم ترین فاتحین تسلیم کئے جاتے تھے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے جس سے اسلامی مفاد کو بڑا نقصان پہنچا اور ایک بار پھر یورپ مسلمانوں کے قبضہ میں جانے سے بچ نکلا۔

بغداد کے سلطان احمد نے صاحبقراں تیمور سے بدعہدی کی تھی جس کی وہ سزا دینا چاہتا تھا۔ لیکن ترکی کے سلطان بایزید نے اسے تحفظ دیا جس کی وجہ سے تیمور کو بایزید سے شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ تیمور ترکوں کو عیسائیوں کے خلاف جہاد سے دست کش کرانا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ بایزید کے گستاخانہ جواب سے سخت برافروختہ ہو گیا اور اس کی اُسے سزا دینا چاہتا تھا۔

۱۴۰۲ء کے ابتدائی زمانے میں مشرقی یورپ کے فاتح بایزید یلدرم نے ایشیا کے فاتح تیمور کا مقابلہ کرنے کا عزم کیا جو تیمور کے خلاف اپنی کامیابی کے لئے ضرورت سے زیادہ پرامید تھا۔ دو لاکھ سے زائد فوج لے کر وہ بڑے اعتماد کے ساتھ تیمور کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔

..تیمور نے جو ایک انتہائی تجربہ کار جنرل تھا۔ ایشیائے کوچک کی سرزمین کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس نے سیواس سے مغرب کی جانب خطے کو سوار فوج کے لئے ناموزوں پایا۔ جنوب کی جانب وہ مڑا اور دریائے ہیلی کی وادی میں بڑھتا گیا۔ جہاں جہاں سے وہ گزرا اس کو تباہ کرتا گیا، اور اس طرح

اس نے ترکوں کو اپنا پیچھا کرنے پر مجبور کیا۔ سلطان بایزید کی فوج جو زیادہ تر پیدل سپاہیوں پر مشتمل تھی، آخر کار تھک کر چور ہو گئی۔

سلطان بایزید نے انگورہ میں اپنے مستقر کو چھوڑ کر تیمور کا پیچھا کرنا شروع کیا ایک ہفتہ کے تعاقب کے بعد ترکی فوج بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے انتہائی نڈھال ہو رہی تھی۔ اس کے برخلاف تیمور کی فوج جو زیادہ تر سواروں پر مشتمل تھی اس قسم کے طویل اور طوفانی دوروں اور سفر کی عادی تھی اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

اس طویل اور تھکا دینے والی دوڑ دھوپ کے بعد سلطان بایزید کو یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ تاتاریوں نے ترکوں کے فوجی مستقر پر قبضہ کر لیا اور وہاں پر اندوختہ شدہ کھانے پینے کے سامان سے گل چھرے اڑا رہے ہیں۔ ترکوں کو پانی بھی میسر نہ تھا کیونکہ پانی کے چشمے اور ذخیرے تاتاریوں کے عقب میں واقع تھے جسے ترک جنگ کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

سلطان بایزید کو آخر کار جنگ کا آغاز کرنا پڑا جسے وہ ابھی تک ٹال رہا تھا۔ اس نے اپنی کمزور سوار فوج کو تاتاریوں کے تجربہ کار اور زبردست سواروں کے مقابلہ میں آگے بڑھایا۔ تجربہ کار تیموری جنگی چالوں کے سامنے وہ بے بس ہو گیا۔ تھا۔ ترکوں کی مایۂ ناز پیدل فوج جنیسری کو لڑائی میں کوئی موثر حصہ لینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اور تیمور نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ آخر کار بایزید نے اپنے ایک ہزار جاں نثاروں کے ساتھ حملہ کر کے تاتاری سواروں کو پیچھے ہٹا کر ایک ٹیلے پر قبضہ کر لیا اور شام تک وہ بڑی بہادری سے تاتاریوں سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے سارے جاں نثار بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے

ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ سلطان کو آخر کار گرفتار کر لیا گیا۔

صاحبقراں تیمور نے سلطان بایزید کا بڑا احترام کیا۔ اس کی چہیتی ملکہ کو اس کے پاس بھجدیا، لیکن بایزید اس ناگہانی شکست سے اتنا دل شکستہ ہو گیا تھا کہ چند ہی ماہ بعد ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

صاحبقراں تیمور کو جب بایزید کے انتقال کی خبر ہوئی تو اس کی آتشیں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بایزید کو بڑے تزک و احترام کے ساتھ ترکی حکمرانوں کے قبرستان بروسہ میں دفن کر دیا گیا۔

اس طرح ترکی کے ایک انتہائی ہونہار اور بہادر سلطان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا جو یورپ کی عیسائی ریاستوں کے لئے ایک آفت خداوندی تھا۔ نکوپولیس کی عظیم الشان فتح کے بعد سارا یورپ اس کے رحم و کرم پر تھا۔ فرانس کو فتح کرنے اور سینٹ پیٹرس کے گرجے میں اپنے گھوڑوں کو کھلانے کا اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ کیونکہ تیمور کے خلاف اس کی شکست نے اس کی شاندار زندگی اور کارناموں کو ادھورا چھوڑ دیا جس نے یورپ میں اسلامی فتوحات کے سیلاب کو روک دیا۔ اور اس طرح یورپ میں اسلامی مفاد کو بڑا نقصان پہنچایا۔

صاحبقراں تیمور؛ فاتح عالم

نپولین بوناپارٹ نے دشوار گزار اور ناقابل عبور کوہ آلپس کو عبور کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ناممکن" کا لفظ صرف احمقوں کی لغت میں پایا جاتا ہے، لیکن لیپزگ اور واٹرلو کی شکستوں کے بعد اسے اس لفظ کے وجود کو تسلیم کرنا پڑا۔

اس کے برعکس صاحبقراں تیمور نے نپولین سے بہت پہلے اس لفظ کی غیر موجودگی کو ثابت کر دیا تھا۔ ایشیا کے اس عظیم فاتح نے جو ایک معمولی خاندان کا فرد تھا، اپنی زندگی میں اپنے زمانے کے دو عظیم ترین حکمرانوں منگول حکمراں توکتامش اور شہنشاہ ترکی بایزید کو شکست فاش دے کر ان کے پرچم کو سرنگوں کر دیا تھا۔ ایشیا یورپ اور شمالی افریقہ میں صاحبقراں تیمور کا مدمقابل کوئی حکمراں نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی میں کبھی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہ کارہائے نمایاں جو ناممکن نظر آتے تھے، اس نے ممکن کر کے دکھا دئے۔ ان کے حصول میں اس کی غیر متزلزل قوت ارادی۔ اس کی غیر معمولی حربی مہارت اور دلیری نے نمایاں

کردار ادا کیا۔ تیمور کے کارناموں کی عظمت کا سکہ اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے عہد کے لوگ اسے انسان سے بالاتر تصور کرنے لگے تھے۔

پنولین اور ہٹلر کی زبردست فوجیں روس کے وسیع میدان میں تھک کر ہار بیٹھیں۔ یہ میدان دنیا کی بہت بڑی بڑی فوجوں کا قبرستان ثابت ہوا ہے چنگیز خاں کے سوا صاحبقراں تیمور واحد فاتح ہے جس نے اس وسیع میدان کو جو مشرق میں بحرالکاہل سے مغرب میں دریائے ڈان تک پھیلا ہوا ہے تہ و بالا کر کے اس میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ اس میدان میں اس نے منگول شہنشاہ توکتامش کو جو چنگیز خاں کی اولاد میں سے تھا شکست فاش دی۔ چنگیز خاں کو بھی جو ایک بڑے منگول سردار کا بیٹا تھا اتنی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا صاحبقراں تیمور کو کرنا پڑا چنگیز خاں کو اتنی زبردست فوجوں اور اتنے طاقتور حکمرانوں سے واسطہ نہیں ہوا، جتنا تیمور کو کرنا پڑا۔ روس کے وسیع میدان میں چنگیز خاں کو بہت معمولی مدافعت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے برخلاف صاحبقراں تیمور کو عظیم منگول حکمراں توکتامش کی زبردست فوج سے مقابلہ کرنا پڑا جو طاقت اور تعداد میں اس سے کہیں زیادہ تھی۔ منگول شہنشاہ کو تیمور کے مقابلہ میں ایسی ہزیمت اٹھانی پڑی کہ پھر وہ ابھر نہ سکا۔

صاحبقراں تیمور کے زمانے میں چھ طاقتور حکمراں دنیا میں حکومت کر رہے تھے۔ شمالی ایشیا اور یورپ کا منگول حکمراں شہنشاہ ترکی مصر کا مملوک حکمراں بغداد اور دہلی کے مسلمان حکمراں اور چین کا خان اعظم۔ صاحبقراں تیمور نے ان چھ میں سے پانچ کو شکست دی اور خان اعظم سے مقابلہ کے لئے وہ چین روانہ ہو چکا تھا۔ جبکہ وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گیا۔ اور اس طرح وہ اپنی آخری مہم کو

پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکا۔ صاحبقراں تیمور کے سامنے دنیا کے نامور فاتحین نپولین۔ ہنی بال۔ سیزر اور بسمارک حقیر نظر آتے ہیں۔ عظیم فاتح کی حیثیت سے تیمور کا مقابلہ سکندر اعظم یا چنگیز خاں سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک لحاظ سے وہ ان دونوں سے بھی عظیم تر تھا۔ سکندر اعظم اور چنگیز خاں کو اپنی زندگی میں اتنی طاقتور حکومتوں اور فوجوں کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ جتنا صاحبقراں تیمور کو کرنا پڑا۔

نامور امریکی مورخ ہیرالڈ لیمب (HERALD LAMB) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف تیمور (TAMERLANE) میں لکھا ہے:

"ساڑھے پانچ سو سال قبل ایک شخص نے دنیا کو تسخیر کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اسے ہم ٹمبرلین (TAMERLANE) کہتے ہیں..... ابتدا میں وہ ایک معمولی انسان تھا اور وسطی ایشیا میں جسے فاتحین کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے وہ تھوڑی سی زمین اور چند مویشیوں کا مالک تھا۔ سکندر کی طرح وہ کسی بادشاہ کا بیٹا اور چنگیز خاں کی طرح وہ کسی سردار کا چشم و چراغ نہ تھا۔ سکندر کی تو میسیڈ ونیا کے عوام اور چنگیز خاں کی منگولوں نے مدد کی تھی۔ لیکن تیمور کو اپنے حامیین کو خود اکٹھا کرنا پڑا۔"

دنیا کے دیگر فاتحین کا تیمور سے مقابلہ کرتے ہوئے ہیرالڈ لیمب رقم طراز ہے:

"چنگیز خاں کی طرح تیمور بھی غیر معمولی حربی صلاحیتوں کا مالک تھا جو انھیں ماورائے انسانیت ظاہر کرتی تھیں۔ ہم سیزر کی مہموں سی بابلی

کے معرکوں اور نپولین کی جنگی حکمت عملیوں کی جتنی بھی تعریف کریں لیکن جب ایشیا کے ان دونوں فاتحین اور سکندر اعظم سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ یہ تینوں عالمی بساط پر غیر معمولی جنگی مہارت رکھتے تھے۔ انفرادی طور پر ان کے جنگی کارناموں کی مثالیں ہمیں کہیں کہیں مل سکتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر ان کا مقابلہ محال ہے۔"

سر پرسی اسکائیس (SIR PERCY SKYES) تیمور کی بابت اعتراف کرتے ہیں: "انسانی تاریخ کی ابتدا سے ایشیا کے کسی فاتح نے ایسے جنگی کارنامے سرانجام نہیں دیئے جیسے تیمور نے سرانجام دیئے ہیں اس لئے ان میں سے کوئی اس کی شہرت کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے کارنامے ماورائے انسانی معلوم ہوتے ہیں۔"

وسطی ایشیا کے شہر سبز کے ایک غریب خاندان میں تیمور کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس کا باپ جو برلاس تاتاری قبیلہ کا ایک معمولی سردار تھا اپنا بیشتر وقت مذہبی لوگوں اور صوفیوں کی خدمت میں گزارتا تھا۔ ایک بار اس نے اپنے بیٹے تیمور کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"بیٹا دنیا ایک سنہرے مرتبان کی طرح ہے جس میں سانپ اور بچھو بھرے ہوئے ہیں۔"

تیمور پر اپنے باپ کی نصیحتوں کا اثر ہوا اور اس نے پولو اور شطرنج کھیلنا ترک کر دیا۔

وہ بہت خاموش طبع نوجوان تھا جو لہو و لعب سے بہت دور رہتا تھا۔ اس کی شادی ایک خوبصورت خاتون الجائی خاتون سے ہوئی جو زندگی میں اس کی صحیح شریک حیات ثابت ہوئی۔

تیمور نے جو ایک بہادر اور زیرک نوجوان تھا، جھگڑالو تاتار قبائل کو متحد کیا، اس نے ایک اور حکمت عملی کے ذریعہ شہر سبز پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنی مختصر فوج کو شہر کے چہار جانب پھیلا دیا۔ اور انھیں حکم دیا کہ گرد و نواح کے جنگلات کی شاخیں کاٹ کاٹ کر زمین پر ڈھیر کر دیں۔ اس سے کافی گرد اڑی۔ شہر پر متعین حفاظتی دستے نے خیال کیا کہ کوئی بڑی فوج حملہ آور ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اتنا گرد غبار اٹھ رہا ہے۔ انھوں نے ہتھیار ڈال دئے اور اس طرح شہر پر تیمور کا قبضہ ہو گیا۔

اسی دوران میں اس نے اسی قسم کی حکمت عملی سے طاقتور جاٹ جنرل بکی ہک کو زیر کیا۔ تیمور نے اپنے آدمیوں کو چاروں طرف جنگل میں پھیلا دیا اور انھیں حکم دیا کہ جاٹ جنرل کے کیمپ کے چہار جانب آگ روشن کریں۔ جاٹ جنرل نے جب شب میں اتنے مقامات پر آگ روشن دیکھی تو اسے خیال ہوا کہ غنیم نے حملہ کر دیا ہے اور صبح سے قبل وہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اور میدان تیمور کے لئے خالی چھوڑ گیا۔ ان واقعات کے متعلق ایک مورخ نے تحریر کیا ہے:

"جنگوں میں لارڈ تیمور ہمیشہ خوش قسمت ثابت ہوئے۔ امسال انھوں نے ایک فوج کو آگ روشن کر کے شکست دی اور ایک شہر پر گرد اڑا کر قبضہ کر لیا۔"

تیمور نے منگول حملہ آور الیاس خان کو برسات کی لڑائی میں مار بھگایا۔ اگرچہ بارش کی وجہ سے ان کے گھوڑے گھٹنوں تک دلدل میں دھنس گئے تھے۔

اس طرح متعدد فتوحات اور کامیابیوں کے بعد تیمور کو تاتاری قبائل کا سردار منتخب کیا گیا۔ اور سرداری کا تاج ایک مذہبی رہنما ضیاء الدین نے پہنایا۔ جنھوں نے تیمور کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے چھوٹے سرداروں سے حلف اٹھوایا۔

تیمور جس کی قسمت میں دنیا کا عظیم ترین فاتح ہونا لکھا تھا۔ صرف بہادروں اور باصلاحیت افراد کی ہمت افزائی کرتا تھا۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ حملہ آور جاٹ، اور منگولوں کو روکنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ حملہ کر کے انھیں تباہ کر دیا جائے، تاکہ ہمیشہ کے لئے اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے جو آئے دن اس کے علاقوں کی تاخت و تاراج کیا کرتے تھے۔

تاتار قبائل کا سردار اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد تیمور کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور اس کی فتوحات کا سیلاب شروع ہوا جس کے سامنے کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکی اور جو بڑی سے بڑی مخالفت کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔ دنیا اس کے نام سے لرزاں تھی۔ سب سے پہلے اس نے ہرات پر قبضہ کر لیا۔ جس کی آبادی تقریباً تین لاکھ تھی اور جس میں سینکڑوں علمی ادارے اور تین ہزار حمام تھے۔

ابتدا میں تیمور کو سب سے سخت مقابلہ منگولوں سے کرنا پڑا جن کا شہنشاہ توکتامش چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا، اور جس کی حکمرانی سارے شمالی ایشیا

اور یورپ پر تھی۔ منگول قبائل اکثر تاتاری علاقوں کی تاخت وتاراج کرکے اپنے ملک لوٹ جایا کرتے تھے۔ ایکبار توکتامش نے سخت سردی کے زمانہ میں تاتاری علاقہ پر حملہ کیا۔ برفباری سے سیلاب میدان سفید ہوگئے تھے۔ تیمور کو مشورہ دیا گیا کہ وہ موسم سرما ختم ہونے کا انتظار کرے، لیکن اس نے اس مشورہ کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی فوج کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کرکے برف باری کے شدید طوفان میں اپنی ماہرانہ چالوں سے چہار جانب سے غنیم کو گھیر لیا اور سخت حملہ کرکے انھیں پسپا کر دیا۔

تیمور جو دفاعی کے بجائے جارحانہ جنگ میں اعتقاد رکھتا تھا۔ منگولوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج لے کر نکلا۔ اس کا گزر ایک ناپیدا کنار بے آب وگیاہ میدان میں ہوا، جو ماضی میں متعدد بڑی بڑی فوجوں کی قبرستان ثابت ہو چکا تھا، وہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ شمالی یورپ کے میدان میں داخل ہو گیا۔ منگولوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کی رسد ختم ہو رہی اور اس کی فوج سفر کی تکان سے نیم جاں ہو گئی تھی۔ آخر کار اسے منگولوں کے پرچم نظر آئے۔ تیمور نے عہد کرلیا کہ جو بھی نتیجہ ہو وہ منگولوں سے فیصلہ کن جنگ لڑے گا۔ شمالی ٹنڈرا کے جنوبی سرد جنگلات میں آخر کار اس نے منگول شہنشاہ توکتامش کی فوجوں کو دھر لیا۔ تیمور کی فوج بھوک اور تھکان سے خستہ حال ہو رہی تھی۔ توکتامش نے مقابلہ نہیں کیا بلکہ وہ شمال کی جانب زیادہ سرد جنگلات میں بڑھتا گیا اور راستے میں کھانے پینے کی جو اشیاء تھیں انھیں تباہ کرتا گیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس طرح وہ تیمور کی فوجوں کو بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے ختم کر دے گا۔

تیمور کو اس کا احساس تھا کہ یہ اس کی زندگی اور موت کی جنگ ہے۔ اٹھارہ ماہ وہ برابر سفر کرتا رہا اور اس دوران میں اٹھارہ سو میل کی مسافت طے کی۔ اب دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کھانا پکا کر وہ شکم سیر ہو جائیں۔ اور آرام کر لیں۔ اس سے دشمن کو سخت اچنبھا ہوا۔

دوسری صبح تیمور نے اپنی فوج کو سات حصوں میں منقسم کیا۔ قلب میں وہ بذات خود کمان کر رہا تھا۔ بھوکے شیروں کی طرح تاتاری منگولوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں فرار پر مجبور کر دیا۔ سخت جانی اور مالی نقصان اٹھا کر توکتامش میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور اسی کے ساتھ ساتھ منگول بھی منتشر ہو گئے۔ تیمور کی فوجوں نے بڑی دور تک منگولوں کا پیچھا کیا اور بڑی تعداد میں انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ توکتامش ٹنڈرا کے جنگلات میں روپوش ہو گیا اور منگولوں کا زور ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا۔ دریائے ڈان کے ساتھ ہوتا ہوا تیمور ماسکو کے نواح میں پہنچا۔ روس کا حکمراں شہزادہ کنواری مریم کا بت گلے سے لگائے ہوئے ڈرتا ہوا مقابلہ کے لئے نکلا۔ تیمور کے سامنے بھلا وہ کیا ٹھہر سکتا تھا۔ لیکن تیمور مقابلہ کئے بغیر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مورخین اس کی وجہ بتانے سے قاصر ہیں کہ تیمور نے ماسکو پر قبضہ کیوں نہیں کیا، جبکہ اس پر قبضہ کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ چند مورخین کا خیال ہے کہ اس نے ماسکو پر قبضہ کر لیا تھا۔ بہر حال وہ کوہ قاف کے راستے واپس ہوا، اور اس علاقے کے دشوار گزار راستوں کو عبور کرتا اس کے جنگجو باشندوں کی سرزنش کرتا اور

ان کے ناقابل تسخیر پہاڑی قلعوں کو فتح کرتا ہوا ایران پہنچا۔ مورخین کا خیال ہے کہ کوہ قاف کے دشوار گزار پہاڑوں میں تیمور کے معرکے انسانی طاقت سے بالاتر مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کی نظیر عالمی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

تیمور اب ایک عظیم سلطنت کا فرماں روا تھا جو یورپ اور ایشیا کے وسیع علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ عظیم شاہراہ خراسان دو ہزار دو سو میل تک اس کے ممالک محروسہ سے گزرتی تھی۔

تیمور نے اب اپنی توجہ ایران کی جانب مبذول کی۔ ۱۳۸۶ء میں وہ ایک بڑی فوج لے کر ایران پر حملہ آور ہوا۔ اصفہان۔ شیراز اور ایران کے دوسرے شہروں نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی۔ شیراز میں تیمور کی ملاقات مشہور فارسی شاعر حافظ شیرازی سے ہوئی جنھیں اس نے بیش بہا تحائف سے سرفراز کیا۔ ۱۳۹۹ء میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا اور کسی مزاحمت کے بغیر دہلی پہ قبضہ کر لیا۔ ہندوستان سے وہ اپنے ساتھ دو سو ہاتھی اور معمار اور فنکار لایا۔ جنھوں نے سمرقند کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ اس نے کوہ قاف میں اسماعیلیوں کے قلعہ سفید کو تسخیر کر لیا جو رستم کے زمانے سے ناقابل تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔ اس نے سلطان احمد کو شکست دے کر بغداد پر قبضہ کر لیا۔

بعد ازاں اس کا مقابلہ ترکی شہنشاہ بایزید یلدرم سے ہوا۔ جس نے دنیائے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا لیکن اس میں صاحبقراں تیمور سے زیادہ سلطان بایزید یلدرم کی غلطی تھی۔ تیمور بایزید یلدرم سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ بایزید اس وقت یورپ میں عیسائیوں سے جہاد میں مشغول تھا۔ اور ایک مذہبی

انسان ہونے کی وجہ سے وہ بایزید کے جہاد کو پسند کرتا تھا اور اس کی ہمت افزائی کرتا تھا لیکن سلطان بایزید نے تیمور کے خط کے جواب میں اسے کتّا لکھا جس نے تاتاری حکمراں کو بہت زیادہ برافروختہ کر دیا۔ سلطان بایزید اس وقت آسٹریا کے صدر مقام دآئنا کی فصیل کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ نکوپولیس کے میدان میں اس نے عیسائیوں کی متحدہ افواج کو شکست فاش دی تھی اور اگر اسے تیمور سے مقابلہ نہ کرنا پڑتا تو سارے یورپ پر ترکوں کا پرچم لہراتا ہوتا۔

سلطان بایزید کا توہین آمیز خط پاکر تیمور نے ترکی شہنشاہ کو سبق پڑھانے کا عزم مصمم کر لیا۔ ۱۴۰۰ء میں سرعت کے ساتھ کوچ کر کے اس نے ایشیائے کوچک کے متعدد شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ترک گورنر نے راہ فرار اختیار کی۔

آخر کار وہ گھڑی آپہنچی جب دو عظیم مسلمان فاتح جو اپنے زمانے کے طاقتور ترین افراد تھے، ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ یورپ کے محاذ کو چھوڑ کر بایزید ۱۴۰۲ء میں دو لاکھ فوج لے کر ایشیائی ترکی (ایشیائے کوچک) میں تیمور سے مقابلہ کرنے نمودار ہوا۔ وہ اپنی فتح سے متعلق ضرورت سے زیادہ پرامید تھا۔ لیکن تیمور اس سے کہیں زیادہ کامیاب اور تجربہ کار فاتح تھا۔ اس نے جنگ کے لئے ایسی جگہ تلاش کی جو رسالہ فوج کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ اس نے اپنی رسالہ فوج لے کر چکر لگانا شروع کیا اور جہاں سے وہ گزرا کھانے پینے کے ذخائر کو تباہ کرتا گیا۔ ترکی فوج زیادہ تر پیدل سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ سلطان ترکی کو اپنی پیدل فوج پر بڑا ناز تھا۔ تیمور نے اُسے تھکا مارا۔ اور بھوک پیاس

سے وہ نڈھال ہوگئی۔ آخر کار بایزید کو حملہ کرنا پڑا، اس نے رسالہ فوج سے حملہ کیا جو تاتاری رسالہ فوج کے مقابلہ میں بہت کمتر حیثیت کی تھی۔ تیمور نے اسے ایسے ایسے چکر اور ایسے جنگی داؤ پیچ دے کہ ترکی شہنشاہ کو اپنی شہرۂ آفاق پیدل فوج استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تیمور ایک پہاڑی پر سے جنگ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ آخر کار ترکی کا سلطان ایشیا کے عظیم اور شاطر فاتح تیمور سے شکست کھاکر قید ہوا۔ تیمور نے اس کا بڑا احترام کیا اور ہر قسم کی سہولتیں اسے بہم پہنچائیں۔ لیکن بایزید دل شکستہ ہوکر چند ماہ بعد انتقال کر گیا۔

بایزید کی شکست سے یورپ کے عیسائی حکمرانوں کو بڑی خوشی ہوئی اور انھوں نے تیمور کو مبارک باد دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی، اہالیانِ جنیوا نے تو تیمور کا پرچم بھی اپنے قلعوں پر لہرا دیا۔

تیمور نے شام، فلسطین، عراق اور مصر پر بھی اپنا اقتدار قائم کیا، اور ان ممالک کے مسلمان حکمرانوں نے تیمور کی اطاعت کو قبول کر لیا۔ تیمور کی فتوحات کا دائرہ اب دنیا کے تینوں براعظموں۔ یورپ۔ ایشیا اور افریقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن ایک سلطنت ابھی باقی تھی جسے تیمور زیر کرنا چاہتا تھا۔ وہ چین کے خانِ اعظم کی سلطنت تھی۔ اس نے اپنے شہزادوں اور امرار کا اجلاس بلایا اور اس نے اس مہم کی تیاری کا حکم دیا۔ آخر کار ایک صبح کو تین لاکھ فوج لے کر تیمور سمرقند سے چین کی جانب روانہ ہوا۔ جلد ہی موسم سرما شروع ہو گیا، اور برف و باراں نے انھیں آگھیرا۔ لیکن تیمور اس کا عادی تھا۔ شمالی ایشیا اور یورپ کی مہموں میں اس سے کہیں زیادہ برف و باراں کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ

پیچھے ہٹنا اور مصائب سے دل برداشتہ ہونا نہیں جانتا تھا۔ وہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ چین کے قریب اوترار (OTRAR) کے شہر پہنچ گیا۔ مارچ ۱۴۰۵ء میں وہ چین پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا کہ فرشتہ اجل نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ دار فانی سے عالم جاودانی کی جانب کوچ کر گیا۔

صاحبقراں تیمور ایک عظیم فاتح کے ساتھ ایک بہت اچھا منتظم اور علوم و فنون کا بڑا سرپرست بھی تھا۔ اس نے اپنے دارالخلافہ سمرقند کو عالیشان عمارتوں۔ باغوں۔ اور کشادہ سڑکوں سے آراستہ کر کے ایک شان دار شہر بنا دیا تھا۔ جو اس کے زمانے میں علوم و فنون کا ایشیا میں عظیم ترین مرکز بن گیا تھا۔ اس نے اپنے ممالک محروسہ میں صنعت و تجارت اور زراعت کو بڑا فروغ دیا، جس سے وہاں کے باشندوں میں خوش حالی کا دور دورہ ہوا۔ تیمور شان و شوکت سے نفرت کرتا تھا اور سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فاتح اور شہنشاہ تھا، لیکن وہ ہمیشہ اپنے کو "امیر تیمور" لکھتا تھا۔ "میں تیمور۔ بندۂ خدا" سے اپنی تحریر شروع کرتا تھا۔

محمدؒ فاتح

مئی ۱۴۵۳ء میں یورپ کی اقوام نے ایک اکیس سالہ نوجوان کو اپنے سفید رہوار پر قسطنطنیہ کے ناقابل تسخیر شہر میں داخل ہوتے ہوئے بڑی حیرت سے دیکھا، قسطنطنیہ کا شمار دنیا کے خوبصورت اور محفوظ ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ یہ نوجوان عثمانی خاندان کا ساتواں حکمراں محمد ثانی تھا۔ جو تاریخ میں محمد فاتح کے نام سے مشہور رہا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کی بہادر فوج شہر میں داخل ہوئیں، اور انھوں نے دیکھتے دیکھتے چند لمحوں میں سارے شہر پر قبضہ کرلیا۔

قسطنطنیہ ابھی تک سینکڑوں حملہ آوروں کے خواب کو پریشان کرتا رہا تھا۔ یہ عظیم اور ناقابل تسخیر شہر جو ایشیا اور یورپ کے نقطۂ اتصال پر واقع ہے اور آبنائے باسفورس اور آبنائے درہ دانیال جس کی دونوں جانب سے حفاظت کرتی ہیں۔ سات سو سال قبل مسیح سے جب یہ تعمیر ہوا تھا بڑے بڑے حکمرانوں اور فاتحین کے حملوں کو ناکام بناتا رہا تھا۔ روم کی طرح

سات پہاڑیوں پر پھیلا ہوا یہ انتہائی خوبصورت اور مستحکم شہر دونوں جانب دو آبناؤں کے واقع ہونے کی وجہ سے دنیا کا محفوظ ترین شہر تسلیم کیا جاتا تھا۔

اسلام کے برگزیدہ پیغمبر نے اس شہر کی فتح کی بشارت دی تھی۔ بنو امیہ کے پہلے خلیفہ امیر معاویہ کے عہد خلافت میں اس پر سب سے پہلا اسلامی حملہ ہوا، جس میں حضرت امام حسن اور امام حسین نے حصہ لیا تھا۔ اس معرکے میں میزبان رسولؐ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری نے جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کا مزار اس شہر کے قریب واقع ہے۔ مشہور عثمانی حکمران بایزید یلدرم جس نے آسٹریا کے صدر مقام وائنا کی فصیل کے سامنے نکوپولیس کی لڑائی میں عیسائی یورپ کی متحدہ طاقت کو شکست فاش دی تھی۔ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن صاحبقراں تیمور کے ہاتھوں شکست کھا جانے کی وجہ سے اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خامہ قدرت نے اس عظیم شہر کی فتح کا سہرا عثمانی سلطان محمد ثانی کے سر باندھنے کو تحریر کر دیا تھا۔ جس نے پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی کو آٹھ سو سال بعد پورا کیا۔

محمد ثانی جو بعد ازاں تاریخ میں محمد فاتح کے نام سے مشہور ہوا اور عثمانی سلطان مراد ثانی کا بیٹا تھا۔ اپریل ۱۴۲۹ء میں پیدا ہوا جب سن بلوغ کو پہنچا تو مغنیا (MOGHNISA) کا گورنر مقرر ہوا۔ ۱۴۵۱ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۴۸۱ء میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گیا۔

محمد ثانی نے اپنے باپ کی فتوحات میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ پانچ زبانیں

بول سکتا تھا اور زمانہ امن اور حرب کے جملہ فنون کا ماہر تھا۔ ابتدا ہی سے وہ قسطنطینیہ کے ناقابل تسخیر شہر کو فتح کرنے کا خواب دیکھتا تھا، اور اس کے لئے اس نے پوری تیاری کی تھی۔ اس کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ گزشتہ دو ہزار سال میں اس شہر نے بڑے بڑے حکمرانوں اور اولوالعزم فاتحین کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔

سلطان محمد ثانی نے ایڈرائن (EDRINE) کے مقام پر اسلحہ سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا جس میں اس زمانے کے ہر قسم کے اسلحے تیار کئے جاتے تھے۔ اس میں ایک بہت بڑی توپ تیار کی گئی جو تیرہ سو پونڈ وزنی پتھر ایک میل سے زائد فاصلہ پر مار سکتی تھی۔

سلطان نے ۱۴۵۳ء میں ترکی فوج کو قسطنطینیہ کی جانب بڑھانا شروع کیا۔ اس نے شہر کے اطراف میں دیہاتوں اور قصبوں پر قبضہ کرلیا۔ سلطان قسطنطینیہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا اور اس نے سینٹ رومانس (ST-ROMANUS) کے دروازے پر عثمانی پرچم نصب کردیا۔ اس طرح ۶ اپریل ۱۴۵۳ء کو قسطنطنیہ کا تاریخی محاصرہ شروع ہوا۔ اس بڑی توپ سے بڑے بڑے پتھر شہر کی فصیل پر پھینکے جاتے تھے لیکن قلعہ کی فصیل کو جو نقصان ہوتا تھا محصورین راتوں رات اس کی مرمت کر لیتے تھے۔

سلطان محمد ثانی نے آخر کار ایک اور ترکیب سوچی، وہ لکڑی کی بنی ہوئی ایک برجی لے آیا جو پہیوں پر چلتی تھی اور جو ایک چھوٹے قلعہ کے مانند تھی، جس میں سے ترکی سپاہی اپنے گولے شہر کے اندر پھینکتے تھے۔

قسطنطینیہ کے محاصرہ کو مشکل سے تین ہفتے گزرے تھے کہ رومیوں کے لئے

کمک پہنچ گئی۔ فوجیوں اور سامان حرب سے لدے ہوئے وینس کے جہاز قسطنطنیہ کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ عثمانی جہازوں نے ان کو روکنا چاہا اور دونوں کے ملاحوں میں دست بدست مقابلہ ہوا لیکن وینس کی بحری طاقت آخر کار غالب آئی اور ان کے جہاز قسطنطنیہ میں داخل ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پرانی کہاوت صحیح ثابت ہوئی ہے" اگر خشکی پر ترکوں کا غلبہ ہے تو سمندر پر دشمن حاوی ہے"۔

سلطان محمد ثانی نے آخر کار محسوس کیا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے خشکی اور آبی دونوں طرف سے حملہ کرنا ہو گا۔ اس کے بغیر اس ناقابل تسخیر شہر کو فتح کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ سمندر کی جانب سے اس شہر پر حملہ کرنا بظاہر آسان معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے راستے میں وینس اور رومیوں کا طاقتور بحری بیڑہ حائل (لنگر انداز) تھا۔

سلطان نے سمندر کے راستے اس شہر پر حملہ کرنے کا ایک نادر اور حوصلہ مندانہ منصوبہ تیار کیا۔ اس کے بندرگاہ میں اس نے اپنے جہاز سمندری راستے سے نہیں بلکہ خشکی پر چلا کر لے جانے کا منصوبہ تیار کیا۔ لکڑی کے تختے بچھا کر اس نے دس میل لمبی ایک سڑک تیار کی اور بھیڑوں اور مویشیوں کی چربی اس پر لگا کر چکنا کر دیا گیا۔ اور اسّی چھوٹے جہازوں کو جس میں اس کی بیشتر فوج بھری ہوئی تھی گھوڑوں اور بیلوں سے گھسیٹتے ہوئے وہ بندرگاہ کے قریب لے گیا۔ عالمی تاریخ حرب میں سلطان محمد ثانی کا یہ منصوبہ لاجواب ہے۔ اور اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ جب یہ اسّی عثمانی جہاز قسطنطنیہ کے شہر سے متصل شاخ زریں کے سمندر میں اتارے گئے تو محصورین نے

بڑی حیرت اور مایوسی سے اس کا نظارہ کیا۔ دوسرے دن عثمانی حملہ آوروں نے اللہ اکبر کی لرزا دینے والی تکبیر اور توپوں کی گرج میں شہر پر دھاوا بول دیا۔ سلطان محمد ثانی اپنے سفید گھوڑے پر فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہوا۔ دوسری جانب سے محصورین کی تیروں، آگ اور پتھروں کی بارش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بہادر حسن اپنے ساتھیوں کے ساتھ فصیل پر حملہ آور ہوا، اور دیکھتے دیکھتے اس کے بہادر فوجی شہر کی فصیل پر کمندیں ڈال کر چڑھ گئے اور انھوں نے فصیل پر سے رومی سپاہیوں کو مار بھگایا اور انھیں فصیل کے نیچے پھینک دیا۔

اس طرح قسطنطنیہ کا ناقابلِ تسخیر شہر جو صدیوں سے بڑے بڑے سورماؤں کے حوصلے پست کرتا چلا آیا تھا آخر کار محمد ثانی کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ سب سے پہلے اس نے بازنطینی شہنشاہ کو تلاش کرایا۔ لیکن بعد ازاں اس کی لاش ملی۔ جسے بڑے تزک و احترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔

دوسرے دن یونانی کلیسا کا بڑا پادری سلطان کی خدمت میں حاضر کیا گیا جس سے سلطان بڑی عزت سے پیش آیا۔ جلد ہی عیسائی شہریوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ ایک کشادہ دل سلطان کے رعایا ہو گئے ہیں جو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے انتہائی مہربانی سے پیش آتا ہے۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد محمد ثانی کی فتوحات کا شاندار سلسلہ شروع ہوا جو اس کی آخری زندگی تک جاری رہا۔ اس نے ۱۴۵۴ء میں سربیا اور میریا فتح کر لیا اور بحیرۂ ایجین کے متعدد جزیروں پر قبضہ کر لیا، ۱۴۵۸،۵۹ء میں سربیا کو عثمانی سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا گیا۔ ۱۴۶۱ء میں جنیوا کی سلطنت

سے اسمارا فتح کرلیا گیا۔ ۶۴-۱۴۶۳ء میں بوزنیا پر عثمانی پرچم نصب کردیا گیا۔ ۱۴۶۳ء میں وینس کی سلطنت سے جنگ شروع ہوئی جو سترہ سال جاری رہی۔ ۱۴۶۶ء میں سلطان نے البانیہ فتح کرلیا۔ ۱۴۷۴ء میں سیلیشیا پر آل عثمان کا قبضہ ہوگیا۔

بعدازاں چھ سال تک سلطان محمد ثانی مشرقی اور وسطی یورپ کے ممالک میں اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں مشغول رہا۔ اس نے بلغراد کے قریب ایک مستحکم قلعہ تعمیر کیا جہاں سے وہ ہنگری اور آسٹریا کی ریاستوں میں برابر حملے کرتا رہتا تھا۔ ۱۴۷۶ء میں اس نے ریاست جنیوا کے شہر کافہ پر قبضہ کرلیا۔ اسی سال ملداویہ کو اپنے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا اور کریمیا کے تاتاری خان نے عثمانی سلطان کی محکومی اور باجگزاری قبول کرلی۔ ۱۴۷۹ء میں ترکوں کے بحری بیڑے نے متعدد یونانی اور رومی جزائر پر قبضہ کرلیا۔

سلطان محمد ثانی ایشیا میں اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں مشغول تھا جبکہ ۳ رمئی ۱۴۸۱ء کو فرشتہ موت نے اس کی روح قبض کرلی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اُسے قسطنطنیہ میں دفن کیا گیا۔

سلطان محمد فاتح ایک بڑا بہادر اور اولوالعزم اور رحمدل حکمراں تھا۔ اس نے فوجی اہمیت کی متعدد مستحکم اور شاندار عمارتیں اور قلعہ درہ دانیال کے کنارے تعمیر کئے۔ وہ زمانہ امن اور جنگ دونوں میں عظیم ثابت ہوا۔ ایک عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ وہ علوم و فنون کا بڑا سرپرست تھا۔

ظہیر الدین بابر

ہندوستان کی شہرۂ آفاق اور عظیم الشان مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر نامور عالمی فاتح صاحبقراں تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ باپ کی جانب سے اس کا خاندانی سلسلہ تیمور سے اور ماں کی جانب سے دوسرے عظیم عالمی فاتح چنگیز خاں سے ملتا تھا۔

دریائے آمو اور سیر دریا کے درمیان پہاڑوں سے گھری ہوئی پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی دلکش وادی میں واقع ایک چھوٹے شہر فرغانہ میں ظہیر الدین بابر ۱۴۸۲ء میں پیدا ہوا۔ ترکی زبان میں بابر شیر کو کہتے ہیں۔ وہ چغتائی ترکی قبائل سے تعلق رکھتا تھا۔

اس کا باپ شیخ عمر ایک خوش مزاج بہادر انسان تھا۔ جو بہت زیادہ مخیر اور عوام میں مقبول تھا۔ بابر کا چچا سمرقند کا بادشاہ تھا۔

بابر جو ایک خوبرو اور نڈر نوجوان تھا بہترین تیر انداز تھا۔ وہ بڑے بڑے

دریا کو تیر کر پار کر سکتا تھا اور بلند سے بلند پہاڑ پر دو دو آدمیوں کو بغل میں داب کر چڑھ سکتا تھا۔ شیخ عمر کا ایک حادثہ میں ۱۴۹۴ء میں انتقال ہو گیا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد سمرقند میں سخت سیاسی ابتری پھیلی اور بابر کو اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ تین سال بعد اس نے سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کا اقتدار چند روزہ رہا۔ ایک دن جب وہ کسی مہم پر شہر سے باہر گیا ہوا تھا، دشمن نے سمرقند پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ تین سال تک وہ جلا وطنی میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔ ۱۵۰۰ء میں اس نے چند سواروں کے ساتھ سمرقند پر یکایک حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

اپنے جد امجد صاحبقراں تیمور کے عظیم الشان شہر سمرقند میں نوجوان بابر تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کی قسمت میں زیادہ عرصہ تک اس شہر پر حکومت کرنا نہیں لکھا تھا۔ ازبک کے خان اعظم شاہی بیگ نے دوسرے سال ہی اسے سمرقند چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ایک بار پھر وہ جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ چار سال تک وہ ادھر ادھر پھرتا ہوا کابل میں داخل ہوا جہاں اس کا ایک چچا حکمراں تھا۔

کچھ ہی عرصہ بعد اس کے چچا کا انتقال ہو گیا اور کابل سیاسی انتشار کا شکار ہو گیا۔ ۱۵۰۴ء میں اس نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور اس وقت سے اس کی قسمت کا ستارہ بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ کابل اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ اور اس کی آب و ہوا اُسے بہت پسند تھی۔ ۱۵۱۲ء میں ایک بار اسے سمرقند فتح کرنے کا موقع ملا، لیکن یہ قبضہ صرف آٹھ ماہ قائم رہا۔

آخر کار اس نے جنت نشان ہندوستان پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا جو سونے کی چڑیا کہلاتا تھا۔ جس کے زرخیز میدانوں کو دریائے سندھ گنگا۔ اور ان کے معاون دریا سیراب کرتے تھے۔

۱۷ر نومبر ۱۵۲۳ء کو جمعہ کے مبارک دن بابر بارہ ہزار فوج لے کر ہندوستان میں داخل ہوا۔ دولت خاں نے جو لاہور کا گورنر تھا اپنے بادشاہ سکندر لودھی کے خلاف بابر کی امداد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن جب بابر لاہور کے قریب پہنچا تو وہ اپنے وعدے سے منحرف ہوگیا۔ لیکن بابر نے آسانی سے اسے زیر کرلیا۔ اب ابراہیم لودھی کا دارالخلافہ دہلی بابر کے سامنے تھا۔ ابراہیم لودھی نے بابر کے حملے کی خبر سنی تو وہ اپنی زبردست فوج لے کر اس کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ ۲۱ر اپریل ۱۵۲۴ء کو پانی پت کے تاریخی میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ابراہیم لودھی کی فوج بابر سے دس گنا بڑی تھی لیکن بابر کی فوج زیادہ تجربہ کار اور باراں دیدہ تھی۔ بابر نے لڑائی میں منگولوں کے روایتی طریق جنگ استعمال کئے، اس نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ابراہیم لودھی کے میمنہ اور میسرہ پر حملے کرکے اس میں انتشار اور افراتفری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان حملوں سے تنگ آکر آخر کار ابراہیم لودھی جو اپنے قلب کی کمان کر رہا تھا۔ جنگی ہاتھیوں کے ساتھ بابر کی مختصر فوج پر حملہ آور ہوا۔ بابر کے بندوقچیوں نے ان پر گولی چلائی جنگی ہاتھی اس سے اتنے سراسیمہ ہوئے کہ وہ پلٹ پڑے اور اپنی ہی فوج کو روندتے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ساتھ ساتھ بابر نے اپنے سواروں کے ساتھ ابراہیم لودھی کی فوج پر

پر سخت حملہ کیا۔ اور میدان جنگ سے اُسے فرار ہونے پر مجبور کیا۔ دوپہر تک جنگ ختم ہو چکی تھی۔ ابراہیم لودھی اور اس کے بیس ہزار فوجی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ بے شمار دولت اور سامان جنگ بابر کے ہاتھ لگا جس میں مشہور کوہ نور ہیرا بھی شامل تھا۔ بابر نے آگے بڑھ کر دہلی پر قبضہ کر لیا اور دہلی کی جامع مسجد میں اس کے شہنشاہ ہند ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

بابر نے ہندوستان ہی میں قیام کر کے اس پر حکومت کرنے کا ارادہ کیا ہندوستان اور اس کے باشندوں سے متعلق وہ بہت خراب رائے رکھتا تھا اس نے ہندوستان میں باغات۔ فوارے۔ نہریں اور خوبصورت عمارتیں تعمیر کرنے کے منصوبے بنائے اور سرعت کے ساتھ اس پر عملدرآمد شروع کیا۔ لیکن اس کی حکومت کو ایک بڑا خطرہ درپیش تھا۔ جنوبی افق پر خطرناک طوفان امڈ رہا تھا۔ اسے آزمودہ کار راجپوت حکمراں رانا سانگا سے جو میواڑ کا آفتاب کہلاتا تھا۔ زور آزمائی کرنا تھا۔ رانا سانگا ایک بہت آزمودہ کار جنگجو تھا جو افغانوں کے خلاف اٹھارہ خونریز لڑائیوں میں حصہ لے چکا تھا اور جس کا ایک ہاتھ اور ایک آنکھ ان لڑائیوں میں جاتی رہی تھیں۔ رانا سانگا ایک سو بیس ہندو راجاؤں کی متحدہ فوج لے کر جس میں اسی ہزار سوار اور پانچ سو جنگی ہاتھی تھے، بابر کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

بابر آگرہ سے کوچ کر کے کنہوا کے مقام پر خیمہ زن ہو کر راجپوتوں کا انتظار کرنے لگا۔ بابر نے اپنی فوج کو منگولوں کے طریقہ جنگ کے مطابق میدانِ جنگ میں آراستہ کیا۔ جگہ جگہ بندوقچیوں اور توپوں کے دمدمے

تیار کئے اور میمنہ اور میسرہ کے کناروں کو محفوظ رکھنے کے لئے خندقیں کھودیں اور رکاوٹیں کھڑی کیں۔

راجپوتوں کا بڑا لشکر جس میں اسی ہزار گھوڑے اور پانچ سو جنگی ہاتھی تھے۔ جب میدان جنگ میں آیا تو اسے دیکھ کر مسلمانوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ لیکن ان کا سربراہ ایک بڑا دلاور اور جری انسان تھا جو دل شکستہ اور مایوس ہونا نہیں جانتا تھا۔ اس نے خدا سے عہد کیا کہ اگر اسے فتح نصیب ہوئی تو شراب کو وہ کبھی منہ نہ لگائے گا۔ اس نے اپنی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی جس نے ان کے حوصلے بہت بلند کر دیے، اس نے کہا:

"میرے سردارو! اور سپاہیو۔ ہر شخص جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اسے موت کا مزا چکھنا ہے۔ ہر شے فنا ہونیوالی ہے۔ صرف خدا کو بقا ہے۔ اسی کو بقائے دوام حاصل ہے جو کوئی بھی اس سرائے فانی میں آتا ہے اسے ایک دن اس دار المحن یعنی دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ یہ کہیں بہتر ہے کہ انسان ذلت کی زندگی گزارنے کے بجائے عزت کی موت کو خوش آمدید کہے۔

خدائے ذوالجلال نے ہمیں ایک آزمائش میں مبتلا کیا ہے اگر اس آزمائش کے دوران ہم میدان جنگ میں مارے جاتے ہیں تو شہید ہوتے ہیں اور اگر فتحیاب ہوتے ہیں تو غازی کہلاتے ہیں۔ اس لئے ہم سب کو ایک ہو کر خدا کو حاضر و ناظر

جان کر عہد کرنا چاہئے کہ ہم میں سے کوئی شخص میدانِ جنگ سے پیٹھ نہیں موڑے گا، اور جنگ و جدال سے ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔"

بابر کی ولولہ انگیز تقریر سے اس کی فوج میں برقی رو دوڑ گئی، اس کے فوجیوں نے اپنے خون کے آخری قطرے تک غنیم کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ راجپوتوں کی زبردست فوج ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو میدان جنگ میں اتر چکی تھی۔ بابر نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور کچھ فوج ریزرو میں رکھی۔ طبل جنگ بجا تو راجپوتوں کے پرے کے پرے مغلوں پر حملہ آور ہوئے۔ بابر کے بندوقچیوں اور توپچیوں نے راجپوتوں کے کشتوں کے ڈھیر لگا دئے۔ جدال اور قتال کا یہ بازار کافی دیر تک جاری رہا۔ راجپوت سپاہی جب حملوں سے تھک گئے تو بابر نے اپنے قلب میمنہ اور میسرہ سے ان پر سخت حملہ کر دیا۔ جس نے راجپوتوں میں کھلبلی اور افراتفری مچا دی اور وہ میدان جنگ میں اپنے خیموں تک پیچھے ہٹتے چلے گئے اور آخر کار میدانِ جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہوئے۔ مغل فوجیوں نے راجپوتوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دئے اور مقتول راجپوتوں کے سروں کا میدان جنگ میں ایک مینار تیار کیا گیا اس طرح بابر کی بہادر فوج نے جو راجپوت فوج کا دسواں حصہ بھی نہ تھی ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے ہندو طاقت کا خاتمہ کر دیا۔

دوسرے ہی سال بابر نے چندیری کا مستحکم قلعہ فتح کر لیا۔ اور اسی سال اس نے بہار اور بنگال کی افغان حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس

طرح بابر ہندوستان کا مطلق العنان حکمراں اور عظیم مغلیہ سلطنت کا بانی ہوا۔
لیکن بابر اپنی زبردست سلطنت پر حکومت کرنے کے لئے زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ اس نے اپنے دارالخلافہ آگرہ کو خوبصورت بنانے اور اس میں طرح طرح کے پھلوں اور پھولوں کے باغات لگانے پر اپنا زیادہ وقت صرف کیا۔ دسمبر ۱۵۲۹ء میں اس نے آگرہ میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جس میں ایران ہرات اور بنگال سے مغلیہ امرا اور سفرا نے شرکت کی۔

دسمبر ۱۵۳۰ء میں اس کا لاڈلا بیٹا ہمایوں سخت بیمار پڑا۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر کار ایک درویش نے بتایا کہ زندگی اسی وقت بچ سکتی ہے جب شہنشاہ بابر اپنی سب سے بیش بہا چیز اس پر نچھاور کر دے۔ شہنشاہ اپنی زندگی کو جو اس کی سب سے بیش بہا شے تھی اپنے بیٹے پر نچھاور کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس نے صاحب فراش شہزادے کے بستر کے گرد تین چکر لگا کر خدا سے دعا کی کہ وہ شہزادے کی بیماری اسے دے دے اور شہزادے کو اچھا کر دے۔ اس دن سے وہ بیماری شہنشاہ بابر کو لگ گئی، اور شہزادہ صحت یاب ہونے لگا۔ آخر کار ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو شہنشاہ بابر کا اسی بیماری میں انتقال ہو گیا۔ اسے کابل کے ایک خوبصورت باغ میں دفن کیا گیا جو ایک پہاڑی پر اس نے خود لگایا تھا۔ جہاں بیٹھ کر وہ گرد و نواح کے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ بابر ایک عظیم جنرل اور مشہور ادیب تھا وہ فارسی اور ترکی زبانوں کا اچھا ادیب تھا۔ وہ خوش گو شاعر بھی تھا اور فارسی زبان میں "تزک بابری" اس کی بلند پایہ تصنیف ہے۔

امیرُالبحر خیرُالدّین باربروسہ

خلافتِ عثمانیہ جو چودھویں سے سترھویں صدی تک دنیا کی سب سے طاقتور حکومت تسلیم کی جاتی تھی۔ یورپ ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں پر محیط تھی۔ یہ وسیع سلطنت جس میں جنوبی مشرقی یورپ، مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے سینکڑوں ممالک شامل تھے مغرب میں وائنا سے لے کر مشرق میں دیوار چین اور شمال میں یوکرین اور کریمیا سے لے کر دریائے نیل کے منبع تک پھیلی ہوئی تھی۔

عثمانی ترک خشکی اور تری دونوں پر حاوی تھے۔ ان کی ناقابلِ شکست فوجیں آسٹریا اور ہنگری کے دارالخلافوں کو تہ و بالا کر چکی تھیں، اور بحیرۂ روم میں ان کی بحریہ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یورپ کی کسی بحری طاقت میں اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ جینوا۔ وینس اور ہسپانیہ کی بحریہ اس کے سامنے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوتی تھیں۔ طاقتور ترکی بحریہ کی کمان باربروسہ خاندان کے

تجربہ کار امیر البحروں کے ہاتھ میں تھی۔

مسلمانوں نے ہمیشہ خشکی پر اپنی برتری قائم رکھی۔ بنی امیہ۔ بنو عباس اور بنو فاطمہ کی خلافتوں اور ہسپانیہ کی مسلمان حکومتوں نے اپنی زیادہ توجہ اپنی بری طاقت اور بری فوج کو مستحکم کرنے پر صرف کی۔ عثمانی خلافت میں پہلی بار مسلمانوں نے حقیقی معنوں میں بحری قوت بڑھانے کی جانب توجہ کی اور ایک طاقتور بحریہ قائم کیا جس نے باربروسہ خاندان کے امیر البحروں کی کمان میں بہت جلد یورپ کی بحری طاقتوں کو نیچا دکھادیا، اور بحیرۂ روم میں اس کے مقابلہ کی کوئی تاب نہیں لاسکتا تھا۔

باربروسہ خاندان کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ ایک قصے کے مطابق شہرۂ آفاق باربروسہ بھائیوں کے باپ یعقوب ایک یونانی عیسائی تھے۔ جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ عیسائی مورخوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ اس نے مسلمان ہونے کے بعد اپنا نام ہوریش رکھا۔ اس کی دراز ریش کی وجہ سے وہ "بابا ہوریش" کے نام سے مشہور ہوا اور عیسائی بحری طاقتیں خیر الدین کو باربروسہ کے نام سے پکارتی تھیں۔

باربروسہ بھائیوں کی شہرت بحیرۂ روم میں ان کے بڑے بھائی کی جنگی صلاحیتوں کی وجہ سے پھیلی۔ بڑے بھائی کے ساتھ چھوٹا بھائی خیر الدین بھی ان بحری جنگوں میں حصہ لیتا تھا۔ جنھوں نے جنیوا، ہسپانیہ اور وینس کے بحری بیڑوں کو بارہا راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ خیر الدین باربروسہ آگے چل کر عثمانی بحریہ اور زمانہ وسطیٰ کا سب سے نامور امیر البحر ثابت ہوا۔

ترکی بحریہ جس کا مستقر بحیرۂ روم میں گولٹیا کے مقام پر تھا۔ ہسپانوی آرمیڈا (بحریہ) کے لئے آفت ناگہانی ثابت ہوئی۔ ہسپانوی مسلمان جنھیں وہاں کے عیسائی حکمرانوں نے ہسپانیہ سے نکال باہر کیا تھا۔ اب عیسائیوں کے رحم وکرم پر تھے۔ عیسائی فاتحین ان کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ ان بے بس مسلمانوں کے مصائب کو کم کرنے میں ترکی بحریہ نے بہت شاندار کردار ادا کیا۔ ترکی بحریہ اگر بحیرۂ روم پر حاوی نہ ہوجاتی تو ہسپانیہ کے عیسائی حکمراں اپنی بحریہ کی مدد سے شمالی افریقہ کی اسلامی سلطنتوں پر بھی قبضہ کرلیتے لیکن ترکی بحریہ ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں سدراہ ثابت ہوئی اور ہسپانوی بحریہ کو اس نے پے درپے شکست دے کر بحیرۂ روم کے تقریباً سارے اہم جزائر پر قبضہ کرلیا۔ اور ہسپانوی جزیرہ نما پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی۔

باربروسہ بھائیوں کی وجہ سے مراکش۔ الجزائر۔ تیونس اور طرابلس پر خلافت عثمانیہ کا مکمل کنٹرول ہوگیا۔ باربروسہ خاندان کا بڑا بھائی جس نے ہسپانیہ اور جنیوا کے بحری بیڑوں کو پے درپے شکست دے کر ان کے کئی بندرگاہوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۵۱۸ء میں راؤسلاڈو کے مقام پر ہسپانوی بحریہ سے ایک خونریز لڑائی میں مارا گیا۔

اس کے انتقال کے بعد اس کا چھوٹا بھائی خیرالدین باربروسہ عثمانی بحریہ کا سربراہ مقرر ہوا جس نے یورپ کی بحری طاقتوں کا ناک میں دم کردیا اور ان کے متعدد شہروں اور جزیروں پر قبضہ کرلیا۔ وہ زمانہ وسطیٰ کا

عظیم ترین امیر البحر تسلیم کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے بحیرۂ روم میں عثمانی بحریہ کا ڈنکا بجنے لگا اور کسی یورپی بحریہ کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ خیر الدین باربروسہ کا مقابلہ کرے۔

خیر الدین باربروسہ خلافت عثمانی کے عظیم ترین خلیفہ سلیمان اعظم کے زمانے میں ترکی بحریہ کا امیر البحر مقرر ہوا۔ ۱۵۱۹ء میں الجیریا میں وہ خلافت عثمانیہ کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ ۱۵۳۴ء میں اس نے ٹیونس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ترکی بحریہ کو اپنے زمانہ کی طاقت ور ترین بحریہ بنا دیا، اس کا ارادہ تھا کہ جزیرہ نما ہسپانیہ کو فتح کر کے اس میں دوبارہ اسلامی سلطنت قائم کرے۔ اس مقصد کے لئے اُسے یورپ کی دو طاقتور ترین بحری طاقتوں، ہسپانیہ اور جینوا کو سر کرنا تھا۔ اگر کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو وہ اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا دیتا۔ وہ عیسائی بحری طاقتوں کے لئے دہشت کا باعث تھا۔ اس نے ہسپانوی شہنشاہ چارلس کی طاقت ور بحریہ کو شکست فاش دے کر متعدد ہسپانوی ساحلی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔

۹۹۲ ہجری میں فرانس اور ہسپانیہ کے درمیان ایک بحری جنگ میں خیر الدین باربروسہ نے فرانسیسیوں کی مدد کی اور اس نے کارفو اور بحیرۂ ایجین کے تمام جزائر پر قبضہ کر لیا، جو اس سے قبل وینس کے قبضہ میں تھے۔ اس طرح خلافت عثمانیہ کے حدود بحیرۂ ایجین اور اطالیہ کے ساحل تک پھیل گئیں۔

پاپائے روم نے ۹۹۵ ہجری میں خلافت عثمانیہ کے خلاف ہسپانیہ۔

ہنگری اور وینس کی عیسائی حکومتوں کا ایک اتحاد ثلاثہ قائم کیا، جس کا واحد مقصد بحیرۂ روم میں ترکی بحریہ کی طاقت کو ختم کرنا تھا۔ ان کا متحدہ بحری بیڑہ ہسپانوی ایڈمرل کے زیر کمان ترکی بحریہ سے جنگ کرنے کے لئے نکلا۔ ایک خونریز بحری لڑائی میں متحدہ عیسائی بحریہ کو بھاری نقصان اٹھا کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ خیرالدین باربروسہ نے ایک یادگار بحری فتح حاصل کی تھی۔ اس نے بحیرۂ روم کے متعدد جزیروں پر قبضہ کر لیا۔

خیرالدین باربروسہ کی امداد سے فرانسیسیوں نے نیس کا شہر ہسپانیہ سے واپس لے لیا اور اس کے بدلے فرانسیسیوں نے ٹاولن کا فرانسیسی بندرگاہ ترکوں کے حوالہ کر دیا۔

خیرالدین باربروسہ نے جزیرہ نما ہسپانیہ میں ایک بار پھر اسلامی سلطنت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اور اس مہم میں وہ وہی راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا جو عظیم مسلمان فاتح طارق نے اختیار کیا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ جبرالٹر پر قبضہ کر کے ہسپانیہ کے خطہ میں قدم جما لیا جائے۔ اور پھر آگے بڑھا جائے لیکن دیگر ضروری مصروفیات کی وجہ سے اسے اس منصوبہ پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ہسپانوی عیسائیوں کو بھی خیرالدین باربروسہ کے منصوبے کی خبر ہو گئی اور انھوں نے جبرالٹر کو دفاعی اعتبار سے بہت مستحکم کر دیا۔

آخر کار وہ دن آ ہی گیا جب خیرالدین باربروسہ کے بحری بیڑے نے جبرالٹر پر حملہ کیا یہ ۲۰ اگست ۱۵۴۰ء کی تاریخ تھی ہسپانوی حکومت نے اپنی ساری طاقت جبرالٹر کی دفاع پر لگا دی جو پہلے ہی سے مستحکم کیا جا چکا تھا۔

خیرالدین باربروسہ نے سولہ جہازوں سے جبرالٹر پر حملہ کیا جس میں ایک ہزار ملاح اور دو ہزار سپاہی موجود تھے۔ اس نے ہسپانیہ کی سرزمین پر اپنے قدم جمالئے اور دس دن میں اس نے جبرالٹر کے ساحل پر کافی بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہسپانوی فوج بہادر ترکوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکی اور جبرالٹر میں قلعہ بند ہو گئی۔ وہ کھلے میدان میں ترکوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ خیرالدین باربروسہ نے جبرالٹر کا محاصرہ کر لیا جو کچھ عرصہ بعد اُسے اٹھانا پڑا۔ کیونکہ اس کی فوج کو رسد نہیں پہنچ رہی تھی اور غنیم کے ملک میں یہ آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

خیرالدین باربروسہ کا ۱۵۴۶ء میں انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ اگر وہ اور زندہ رہتا تو ہسپانیہ میں دوبارہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے خواب کو یقیناً عملی جامہ پہنا لیتا۔ اس نے عالمی بحری تاریخ میں اپنے لئے ایک لافانی مقام پیدا کر لیا اور ترکی بحریہ کو اپنے زمانہ کی سب سے طاقتور بحریہ بنا دیا۔ ڈان کیوزوٹ (DOL N QUIXOTE) نے اپنے اشعار سے اسکے کارناموں کو لافانی بنا دیا ہے۔

اس کی چودہ سالہ امیرالبحری میں ترکی بحریہ نے عالمی بحری تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا ہے، ترکی حکومت کی یہ روایت رہی ہے کہ جب اس کی بحریہ شاخ زرین سے برآمد ہوتی ہے تو اس کی توپیں خیرالدین باربروسہ کی قبر پر سلامی دیتی ہیں۔

نادر شاہ افشار

کچھ لوگ پیدائشی بڑے ہوتے ہیں۔ کچھ اپنی کوششوں سے بڑائی حاصل کرتے ہیں اور کچھ قسمت سے بڑے ہو جاتے ہیں۔ نادر شاہ افشار بڑوں کی دوسری قسم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی محنت شاقہ اور خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ عظمت حاصل کی اور تاریخ عالم میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ وہ ایک گڈریے کا بیٹا تھا جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں۔ حکمت عملی اور دلیری سے ایک وسیع سلطنت قائم کی جو بحیرۂ کیسپین سے دریائے جمنا تک پھیلی ہوئی تھی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی زمانہ میں ایران کی صفوی حکومت اپنے انحطاط کے آخری کنارے پر پہنچ گئی تھی۔ روسیوں اور ترکوں کے آئے دن کے حملوں نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا، اور ملک میں انتشار اور پریشانیوں کا دَور دورہ تھا۔ قدرت نے آخر کار نادر قلی کی صورت میں ایران کا نجات دہندہ پیدا کیا نادر ایک گڈریے کا بیٹا تھا جو ترکی کے افشار قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ایرانی

فوج کی رہنمائی کرتے ہوئے ۱۷۲۹ء میں افغانوں کو افشار اور فارس سے نکال باہر کیا اور ایرانی سلطنت کی سابقہ حدود تک توسیع کر دی۔ ۱۷۳۱ء میں آخری صفوی حکمراں عباس ثالث تخت نشین ہوا۔ لیکن وہ برائے نام حکمراں تھا۔ زمام حکومت دراصل نادر قلی کے ہاتھ میں تھی۔ جس نے آخرکار اس شاہ شطرنج کو برطرف کر کے ۱۷۳۶ء میں خود ایران کا بادشاہ بن بیٹھا۔

نادر قلی کے اقتدار اور عظمت کا ستارہ تیزی سے بلند ہوا۔ اس کی جنگی مہارت نے ایران کو نہ صرف غیر ملکی حملہ آوروں سے بچا لیا بلکہ اس نے سلطنت ایران کے حدود کو بہت وسیع کر دیا۔ روس اور ترک جو ایران کے انتشار سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے بھاری نقصان اٹھا کر پسپا کر دئے گئے۔ اس طرح اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے بعد نادر شاہ نے شمالی افغانستان کی جانب توجہ مرکوز کی اور برق۔ رفتاری کے ساتھ بلخ اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔

اس نے دہلی کے مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلے کو یکے بعد دیگرے دو سفیر روانہ کئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے کابل کے صوبہ دار کو ہدایت کرے کہ قندھار سے بھاگنے والے غلزئی قبائل کو اپنے علاقے میں نہ آنے دے۔ نادر شاہ قندھار کے غلزئی قبائل سے بدلہ لینا چاہتا تھا جنھوں نے زمانہ ماضی میں ایران پر متعدد حملے کئے تھے۔ جب مغل شہنشاہ کے یہاں سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو نادر شاہ نے قندھار کا محاصرہ کر لیا جو ۲۴ مارچ ۱۷۳۸ء کو فتح ہو گیا۔ بعد ازاں وہ غزنی کی جانب بڑھا جس نے ۱۱ جون کو اس کی حکومت قبول کر لی۔ یہاں سے وہ کابل کی جانب تیزی سے بڑھا اور اس کی فصیلوں سے متصل ایک ماہرانہ جنگ کے بعد

۲۹ر جون ۱۷۳۸ء کو کابل پر قبضہ کر لیا۔

ہندوستان میں مغل حکومت اپنے آخری نقطہ انحطاط کو پہنچ چکی تھی۔ اس کا شہنشاہ محمد شاہ رنگیلے دن رات عیش و عشرت میں غرق رہتا تھا۔ عورت اور شراب اس کی زندگی بن چکی تھی۔ وہ دنیا و ما فیہا سے بالکل بے خبر، دن رات داد عیش دیا کرتا تھا۔ اس کا دربار عیاشیوں اور سازشوں کا اڈہ بن گیا تھا۔ نادر شاہ نے مغل حکمراں محمد شاہ رنگیلے سے شکایت کی کہ اس نے اس کی سفارت کا کوئی جواب نہیں دیا۔ نادر شاہ کے قاصد کو راستے ہی میں ہلاک کر دیا گیا۔ اس سے نادر شاہ کو محمد شاہ رنگیلے کے خلاف نبرد آزمائی کا بہانہ ہاتھ آیا۔ ۲۶ر نومبر ۱۷۳۸ء کو اس نے جمرود کے مقام پر کابل کے مغل گورنر کو شکست دی، جس نے بیس ہزار افغانی فوج کے ذریعہ درۂ خیبر کے مقام پر نادر شاہ کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ ایرانیوں کے برق رفتار حملوں اور ان کے حکمراں نادر شاہ کی شاطرانہ جنگی چالوں نے افغانیوں کو بھاری نقصان اٹھا کر پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ نادر شاہ نے بڑھ کر پشاور پر قبضہ کر لیا اور ۲۷ر دسمبر ۱۷۳۸ء کو دریائے سندھ کو اٹک کے مقام پر عبور کیا۔ نادر شاہ کو وزیر آباد کے مقام پر قدرے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن دشمن اس سیلاب کو بھلا کیا روک سکتا تھا۔ وہ اس کے طوفانی حملوں کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ لاہور کے مغل گورنر نے شہر سے بارہ میل کے فاصلے پر نادر شاہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن اسے سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور دوسرے دن ہی گورنر تحفہ تحائف لے کر نادر شاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔

عظیم مغلیہ سلطنت کا صدر مقام دہلی اب نادر شاہ کے رحم و کرم پر تھا۔ ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے کا یقین پہلے کسی نہیں آتا تھا اور دہلی میں اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا، لیکن جب کابل پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا تو مغلوں اور ان کے حواریوں کو فکر لاحق ہوئی آخر کار مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلا بھی خواب غفلت سے بیدار ہوا اور اس نے فی الفور راجپوت راجاؤں سے اعانت طلب کی، لیکن کوئی بھی اس کی امداد کو نہیں پہنچا۔

مغل شہنشاہ محمد شاہ دو لاکھ سواروں اور پیادوں اور پانچ ہزار میدانی توپوں کو لے کر نادر شاہ کے مقابلے کے لئے دہلی سے نکلا۔ اور کرنال کے ایسے علاقے میں خیمہ زن ہوا جو اس کے خیال کے مطابق جنگ کے لئے بہت موزوں تھا۔ اور جس کے ایک جانب گھنے جنگلات اور دوسری جانب علی مردان خاں کی تعمیر کردہ نہر واقع تھی۔ نادر شاہ ۶ فروری ۱۷۳۹ء کو لاہور سے نکلا۔ انبالہ کا مغلیہ گورنر اس کا راستہ نہ روک سکا۔ اور پیچھے ہٹ گیا۔ نادر شاہ ۲۲ فروری کو کرنال پہنچا۔ اس کا جاسوسی کا محکمہ بہترین تھا۔ اور وہ مغلیہ حکمران سے زیادہ مغلیہ فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر رکھتا تھا۔ برہان الملک جو بھاری کمک اور رسد لے کر مغلیہ افواج کی مدد کے لئے آ رہا تھا ایرانیوں نے اسے راستے ہی میں دھر لیا اور ۲۳ فروری ۱۷۳۹ء کو ان کی ساری رسد و رسائل پر قبضہ کر لیا۔

ایرانی اور مغلیہ فوجوں میں جنگ آخر کار شروع ہو گئی۔ برہان الملک اور خان دوراں مغلیہ دستوں کی رہنمائی کر رہے تھے جو ایرانیوں پر حملے کر رہے تھے۔ مغلیہ افواج دو میل طول اور دو میل عرض میں پھیلی ہوئی تھیں، اور ایرانیوں

کے مقابلے میں تعداد اور ساز وسامان میں کئی گنا زیادہ تھیں، لیکن وہ ایرانیوں کے برق رفتار اور تربیت یافتہ رسالوں سے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں۔ ایرانی افواج کی قیادت نادر شاہ ایسا ماہر جنگ کر رہا تھا جو اپنی شاطرانہ جنگی چالوں کے لیے مشہور تھا۔ ایرانی شیروں کی طرح مغلوں کے گلوں پر جھپٹے تھے۔ اور جدال وقتال کے بعد انھیں فرار پر مجبور کرتے تھے۔ مغلوں کی زبردست فوج آخر کار بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہوئی۔ خان دوراں میدان جنگ میں مارا گیا مرتے وقت اس نے خواہش کی کہ نادر شاہ سے درخواست کی جائے کہ وہ محمد شاہ کو تخت سے محروم نہ کرے۔

جب شکست خوردہ مغلیہ شہنشاہ محمد شاہ سے ملاقات ہوئی تو نادر شاہ نے اسے بتایا کہ صرف تین اشخاص اس کے حقیقی بہی خواہ اور وفادار تھے ان میں سے ایک خاں دوراں تھا۔ باقیماندہ سارے مغل درباری نادر شاہ سے ملے ہوئے تھے۔

نادر شاہ ۲۰ مارچ ۱۷۳۹ء کو دہلی میں داخل ہوا۔ دوسرے دن کوئی تیوہار تھا۔ ایرانی سپاہی بازار میں خریداری کے لیے گئے تھے، وہاں ایک دوکاندار سے تکرار ہوگئی جس کی بنا پر نو سو ایرانی سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ شہر میں افواہ پھیلا دی گئی کہ نادر شاہ مارا گیا۔ نادر شاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ سنہری مسجد میں داخل ہوا جہاں اس پر بھی گولی چلائی گئی ان واقعات نے نادر شاہ کو برافروختہ کر دیا اور اس نے دہلی میں قتل عام کی اجازت دے دی۔ شام تک دہلی کے تیس ہزار افراد کو موت کے گھاٹ

اتار دیا گیا۔ آخر کار شام کو مغلیہ حکمراں محمد شاہ کی درخواست پر نادر شاہ نے قتل عام بند کرنے کا حکم دیا اور اس وقت ایرانی سپاہیوں نے اپنے ہاتھ روک لیے۔

نادر شاہ ۱۶ رمئی ۱۷۳۹ء کو بہت زیادہ دولت اور مال غنیمت لے کر دہلی سے روانہ ہوا۔ اپنے ساتھ وہ مغلیہ سلطنت کا تخت طاؤس بھی لے گیا۔

میدان جنگ میں اس کی حیرت انگیز کامیابی کا راز اس کی آہنی تنظیم۔ جاسوسی کے بہترین نظام اور اس کی شاطرانہ جنگی چالوں میں تھا۔

ایران میں ۲ رجون ۱۷۴۷ء کو اُسے قتل کر دیا گیا، اور اس طرح ایک ماہر جنگ کا خاتمہ ہوا۔

احمد شاہ اَبدالی

۱۷۴۷ء میں نادر شاہ افشار کے قتل کے بعد اس کی وسیع سلطنت انتشار کا شکار ہوگئی، اس واقعہ کے بعد ہی افغانی قبائل کے سردار اپنا بادشاہ منتخب کرنے کے لئے قندھار میں شیر سرخ کی درگاہ میں جمع ہوئے۔ افغانستان کے تخت کے دعویداروں میں متعدد با اثر اور معمر سردار تھے۔ لیکن جرگہ کے آٹھ اجلاسوں کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ آخر کار نویں اجلاس میں ایک درویش صابر شاہ نے جن کی سب ہی عزت کرتے تھے۔ ایک ۲۵ سالہ نوجوان کا نام افغانستان کے تخت کے لئے پیش کیا جس سے بہت کم لوگ واقف تھے، یہ احمد خاں تھا جو نادر شاہ کے باڈی گارڈ کا کمانڈنٹ رہ چکا تھا۔

اس انتخاب کو سب ہی نے پسند کیا۔ کیونکہ احمد خاں جو افغانستان کے ایک چھوٹے سے قبیلہ ابدالی سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک انتہائی بہادر اور با اصول رحم دل اور ٹھنڈے مزاج کا نوجوان تھا۔ ایک عظیم فاتح کے ساتھ ساتھ وہ ایک

بہترین منتظم ثابت ہوا۔ جس نے ایسے انتشار پرور زمانے میں افغان قبائل کو متحد کر کے انھیں ترقی کی راہ پر لگا دیا۔

احمد شاہ کی تاجپوشی انتہائی سادگی سے ہوئی۔ اس میں کوئی شان و شوکت کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ صابر شاہ درویش نے گندم کی ایک بالی احمد خاں کے صافہ میں آویزاں کر دی اور اس طرح احمد خاں والی افغانستان احمد شاہ ہو گیا۔ اس نے اپنے انتخاب کو حق بجانب ثابت کیا۔ اس نے جھگڑالو افغان قبائل کو متحد کر کے ایک عظیم افغان قوم بنا دیا جو ایک وسیع افغان سلطنت کی وارث بن گئی۔ اس سلطنت کا نظام ایک انصاف پرور اور باصلاحیت شخص کے ہاتھ میں تھا۔ احمد شاہ کا ۱۷۷۳ء میں جب انتقال ہوا تو اس کی وسیع سلطنت مغرب میں دریائے آمو اور سیر دریا سے مشرق میں تبت کے پیٹو اور جنوب میں بحر ہند تک پھیلی ہوئی تھی۔ احمد شاہ ابدالی جو ایک بہت سادہ مزاج اور دیندار۔ بہادر اور دور اندیش انسان تھا۔ اسلامی تاریخ کے ایک ایسے زمانے میں ابھرا، جب اسلامی ہند کو اپنی تاریخ کا سب سے نازک مرحلہ درپیش تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کی ٹڈی دل فوج کو شکست فاش دے کر اسلامی ہند کو تباہی سے بچا لیا۔ اور اس طرح برصغیر میں رام راج قائم کرنے کا مرہٹوں کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

احمد شاہ ایک بڑا رحم دل، ہردلعزیز اور جمہوریت پسند حکمراں تھا۔ اس نے نو ارکان کی ایک مشاورتی کونسل قائم کی جو حکومت کے معاملات میں اُسے مشورے دیتی تھی۔ اس کونسل میں افغان قوم کے بہترین باصلاحیت

اور صاحب کردار افراد کو شامل کیا گیا تھا۔ اس کی انصاف پروری اور فقیرانہ زندگی نے احمد شاہ کو اپنے عوام میں اتنا ہر دلعزیز کر دیا تھا کہ انھوں نے اسے احمد شاہ بابا کا لقب دے دیا تھا اور اس کے ہر حکم پر اپنا تن من دھن نثار کرنے کو وہ تیار رہتے تھے۔ اپنے عوام کے جسموں سے زیادہ وہ ان کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ اس کے بلند کردار اور اس کی دینداری کی وجہ اس کے عوام اسے ولی سمجھتے تھے۔

احمد شاہ کی ابتدائی زندگی نادر شاہ افشار کی ملازمت سے شروع ہوئی۔ نادر شاہ جب ہندوستان۔ افغانستان اور ترکستان کی مہموں کو سر کر کے وطن واپس لوٹا تو ایک سولہ سالہ نوجوان نے فوجی ملازمت کی اسے درخواست دی۔ یہ احمد خاں تھا نادر شاہ نوجوان احمد خاں کی شخصیت سے متاثر ہوا اُسے اپنی افغان فوج کا ایک افسر متعین کر دیا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد خاں کو ملازمت ترک کرنی پڑی وہ بچپن ہی میں یتیم ہو گیا تھا اور اس کی دیندار ماں نے نوجوان احمد خاں کے کردار کے سنوارنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ احمد شاہ اپنی ماں کی انتہائی عزت اور تکریم کرتا تھا۔ احمد شاہ جب ہندوستان کی مہم پر گیا ہوا تھا تو افواہ پھیلی کہ مرہٹوں سے شکست کھا کر وہ فرار پر مجبور ہوا۔ یہ خبر سن کر اس کی ماں زرغن بی بی نے کہا:

"یہ ناممکن ہے۔ احمد خاں پیٹھ دکھانے کے بجائے مرنے کو ترجیح دے گا۔"

پانی پت کی تیسری جنگ کا عظیم فاتح اور ہیرو احمد شاہ ابدالی بلاشبہ اٹھارہویں صدی کے عظیم ترین فاتحوں اور حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

افغانوں کے مختلف قبائل کو متحد کرنا احمد شاہ ابدالی کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

لیکن اس کی زندگی کا عظیم ترین کارنامہ ۱۳ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کی ٹڈی دل فوج کو شکست فاش دینا ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی اس عظیم فتح نے برصغیر کی تاریخ کا منہ موڑ دیا اور ہندوستان میں رام راج قائم کرنے کے خواب کو پریشان کر دیا۔ ایسے زمانے میں جب اسلامی ہند کو اپنی تاریخ کا سب سے بڑا خطرہ درپیش تھا اور مرہٹے مغلیہ سلطنت کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو بجھا دینے اور شمالی ہندوستان کی مسلمان ریاستوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے دہلی اور یوپی کی جانب بڑھ رہے تھے، احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان میں وارد ہوا۔ ایک روایت ہے کہ اسلامی ہند کے عظیم مفکر شاہ ولی اللہ نے اسے اس بات پر آمادہ کیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنے ساٹھ ہزار جانبازوں کے ساتھ مرہٹوں کی پانچ لاکھ فوج کو شکست فاش دی۔ مرہٹہ فوج ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تھی، اور ابراہیم گردی کی سربراہی میں ایک طاقتور توپ خانہ مسلمانوں پر آگ برساتا رہا۔ انتہائی شدید جنگ جدال و قتال کے بعد مرہٹے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں نے دور دور تک ان کا پیچھا کیا۔ دو لاکھ مرہٹوں کی لاشیں وہ میدانِ جنگ میں چھوڑ گئے۔ اور ان کے بڑے بڑے جانباز اور جنرل اس جنگ میں کھیت رہے جن میں بھاؤ اور وشواش راؤ شامل تھے مرہٹوں کے پیشوا بالاجی باجی راؤ نے جب اس شرمناک شکست کی خبر سنی تو اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔ اس شکست نے ہندوستان میں رام راج قائم کرنے کے مرہٹہ منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔ اور ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔

پانی پت کی تیسری جنگ میں احمد شاہ ابدالی کی یادگار فتح اس کی بہادری اور جنگی مہارت کا ایک بین ثبوت ہے جس نے اسلامی ہند کو مرہٹوں کی غلامی سے بچا لیا۔ مسلمانوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہو۔ لیکن احمد شاہ ابدالی نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اس کا مقصد تاج و تخت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اسلامی ہند کو رام راج سے نجات دلانا تھا۔ اور اس طرح اسلام کی خدمت سرانجام دینا تھا۔

اس نے بائیس ہزار قیدیوں کو آزاد کر کے فاتحین عالم کے لئے ایک مثال قائم کی۔ مرہٹہ توپ خانہ کے سربراہ ابراہیم گردی کو البتہ اس نے سزائے موت دی، کیونکہ اس نے اپنی قوم اور اپنے ہم مذہبوں سے غداری کی تھی۔

احمد شاہ ابدالی ایک بڑا جری اور نہ تھکنے والا بہادر تھا۔ ایک بار دو دن تک لگاتار گھوڑے پر ۱۳۵ میل سفر کر کے سکھوں کی سرکوبی کے لئے سرہند پہنچا۔ جس نے سکھوں کو حیرت میں ڈال دیا اور انھیں فرار پر مجبور کیا۔ احمد شاہ ابدالی کے اس سفر کا مقابلہ اٹیلا۔ چنگیز خاں۔ ہلاکو اور تیمور کے تیز رفتار حملوں سے کیا جا سکتا ہے۔

احمد شاہ ابدالی ایک عظیم فاتح اور بہترین حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ پشتو زبان کا ایک اچھا شاعر۔ اور عربی فارسی کا بہترین ادیب تھا۔ اس کی عظمت کا راز اس کی دین داری۔ رحم دلی۔ اور بلند خیالی میں ہے۔ وہ ایک عظیم فاتح سے بڑھ کر ایک عظیم تر انسان تھا۔ جس نے عوام میں اسے بے حد مقبول بنا دیا تھا اور پرستش کی حد تک عوام اس کی عزت کرتے تھے۔ دنیا کے چند ہی

عظیم فاتحوں میں وہ اوصاف حمیدہ پائی جاتی ہیں جو احمد شاہ میں پائی جاتی تھیں۔ ان میں قرون اولیٰ کے فاتحین حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت خالد بن ولید۔ حضرت ابوعبیدہ اور زمانہ وسطیٰ کے فاتحین سلطان صلاح الدین ایوبی۔ محمد بن قاسم۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر شامل ہیں۔

احمد شاہ ابدالی ایک جمہوریت پسند حکمراں تھا۔ اس نے ایک مشاورتی کونسل قائم کی تھی جو حکومت کے معاملات میں اسے مشورے دیتی تھی۔ اور جن میں بہترین باصلاحیت اور صاحب کردار افراد کو شامل کیا گیا تھا۔ احمد شاہ کو شانِ شوکت سے سخت نفرت تھی اور عام شاہی درباروں کے تزک و احتشام کے برخلاف اس کا دربار سادگی کا مرقع تھا۔ وہ خود انتہائی سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے کبھی تاج نہیں پہنا، اور کبھی تخت شاہی پر نہیں بیٹھا۔ اس نے "کورنش" کے غیر اسلامی رواج کو بھی ترک کر دیا۔ جس کے تحت بادشاہ کے روبرو آنے والے کو پہلے فرش کو بوسہ دینا ہوتا تھا اور بعض اوقات تو بادشاہ کے پیر چومنا ہوتا تھا۔

اپنے ماتحتوں اور عوام کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کا سلوک بہت منصفانہ۔ برادرانہ اور ہمدردانہ تھا۔ تاریخ کے اوراق اسی قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسلامی ہند کو مرہٹوں سے نجات دلانے میں احمد شاہ ابدالی کی معاونت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان سے جو قاصد ہندوستانی مسلمانوں کا پیغام لے کر آیا تھا وہ پانی پت کی جنگ میں شہید ہوا۔ جنگ کے اختتام پر احمد شاہ ابدالی اپنے امراء کے ہمراہ اس کے گھر پر گئے اور اس کی بیوہ

اور بچوں سے تعزیت کی، اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی کی، اور ان کو مغلیہ شہنشاہ کے سپرد کیا۔

ایک بار احمد شاہ ایک مہم سے واپس آرہا تھا۔ وہ قندھار کے قریب پہنچا تو اس کی فوج کا ایک سپاہی قندھار کے قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چپکے سے اپنے گھر پہنچ گیا۔ سپاہی کی بیوی نے اُسے خوش آمدید کہنے کے بجائے اس کی لعن طعن کی:

"تمھیں کیسے اپنے گھر آنے کی ہمت ہوئی، جبکہ احمد شاہ بابا ابھی اپنے گھر نہیں پہنچے۔"

یہ سن کر سپاہی الٹے پاؤں واپس گیا اور فوج میں شامل ہو گیا۔

جب احمد شاہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ عورت کے خیالات سے بہت خوش ہوا اور اسے ایک کاریز انعام دیا جو اب بھی "اینو کے کاریز" کے نام سے موجود ہے۔

احمد شاہ ابدالی ایک دیندار اور صاحب کردار صوفی منش اور سادگی پسند حکمران تھا۔ اس میں جرائت۔ بہادری اور اصول پرستی کا بہت حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ اس کے افعال اس کے اقوال کی انتہائی مطابقت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عوام میں بے حد مقبول تھا، اور افغان قوم اُسے بابائے قوم اور ولی تصور کرتی تھی۔

۱۷۷۳ء میں آخر کار اس عظیم فاتح اور عظیم تر انسان نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کی موت نے سارے عالم اسلام کو

سوگوار کر دیا۔

اپنے پیچھے وہ ایک متحد اور طاقتور افغان قوم چھوڑ گیا۔ جس کی سلطنت کے حدود دریائے آمو سے لے کر عمان تک۔ اور کوہستان تبت سے لے کر بحیرۂ عرب تک پھیلے ہوئے تھے۔

حیدر علی

ہندوستان میں جب اسلامی اقتدار کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور مغلوں کی عظیم سلطنت چراغ سحری بن کر رہ گئی تھی اس وقت جنوبی ہند میں ایک نئی اسلامی طاقت ابھر رہی تھی، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کو بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ یہ سلطان حیدر علی والی میسور کی حکومت تھی۔

حیدر علی ایک پیدائشی جنرل تھا۔ جس نے ایک سپاہی سے ترقی کر کے جنوبی ہند میں میسور کی عظیم سلطنت قائم کی جو تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کی طاقتور ترین سلطنت بن گئی اور جو ایک جانب مرہٹوں اور نظام کے لیۓ باعث رشک و حسد بنی رہی دوسری جانب اس نے غیر ملکی اقتدار کے چھکے چھڑا دیۓ اور ہندوستان سے برطانوی کمپنی کا جنازہ نکلتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس نے برطانوی کمپنی کی افواج کو جس نے شمالی ہندوستان میں عیاری اور مکاری کے ذریعہ اپنی سازشوں اور ریشہ دانیوں کا

جال بچھا رکھا تھا اور جس کی بنا پر برطانوی اقتدار دہلی کے قلعہ معلی تک پہنچ گیا تھا۔ متعدد بار ذلت آمیز شکستیں دیں۔ معاہدہ مدراس جو حیدر علی کی شرائط پر ۴ ۔ اپریل ۱۷۶۹ء کو لکھا گیا اور معاہدہ منگلور جو مارچ ۱۷۸۴ء میں ہوا حیدر علی کی شاندار کامیابی اور انگریزوں کی ذلت آمیز شکستوں کی لازوال یادگاریں ہیں۔

حیدر علی جو بہت سادہ زندگی بسر کرتا تھا میسور کی افواج میں بہت ہر دلعزیز تھا۔ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت اس کے ہمسایوں مرہٹوں۔ نظام اور انگریزوں کے لئے باعث حسد بن گئی تھی۔ انگریز حیدر علی سے بہت خائف تھے اور اس اولوالعزم اور بہادر حکمران کے سامنے جس میں بجلی سی تیزی اور شیر ایسی بہادری تھی برطانوی استعمار کے منصوبے خاک میں ملتے نظر آتے تھے۔ تین سال کے قلیل عرصہ میں اس نے ریاست میسور کے رقبے کو دوگنا کر دیا، اور وہ تمام علاقے واپس لے لئے جن پر مرہٹوں نے زبردستی قبضہ کر رکھا تھا۔ ان میں بدنور۔ بلاری۔ سندرا۔ سیرا۔ کنارا گوٹی کے شہر اور ساحل مالابار پر پھیلے ہوئے علاقے شامل تھے۔

حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے انگریزوں کو سخت تشویش پیدا ہوئی اور جنوبی ہند میں برطانوی استعمار کا گھروندہ انھیں گرتا ہوا نظر آیا۔ حیدر علی کی شجاعت۔ فراست اور سرعت کے سامنے انگریزوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں بے بس ہو کر رہ گئی تھیں اور وہ اپنی مکاری اور عیاری کی ساری چوکڑیاں بھول گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں اور اس شیر کو کس طرح قابو میں لائیں وہ حیدر علی کو ذلیل کرنے کے لئے اسے نائک کہتے تھے۔

انگریزوں کا سازشی دماغ آخرکار کام کر گیا۔ مرہٹے اور نظام حیدر علی کی

بڑھتی ہوئی طاقت، کو بڑی رشک و حسد سے دیکھتے تھے۔ انگریزوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور انگریز۔ مرہٹے اور نظام پر مشتمل حیدر علی کے خلاف ایک سہ فریقی معاہدہ ہوا جس کا مقصد حیدر علی کی طاقت کو زک پہنچانا تھا۔ اور اس طرح ایک ملکی طاقت کے مقابلے میں نظام اور مرہٹے ایک غیر ملکی طاقت کے آلہ کار بنے۔ جس نے حیدر علی اور ان کے بیٹے ٹیپو سلطان سے نبٹنے کے بعد خود مرہٹوں اور نظام کی آزادی سلب کر لی۔ دیسی حکمرانوں کی اسی کوتاہ بینی نے ایک چالاک بدیسی سلطنت کے قدم ہندوستان میں جما دئے۔ جس نے اس برصغیر پر تقریباً دو سو سال تک نہایت جابرانہ حکومت کر کے اس سونا اگلنے والے ملک کو کنگال بنا دیا۔ اس نے سیاسی اور اقتصادی۔ معاشرتی اور تہذیبی استحصال کی بدترین مثالیں برصغیر ہندو پاکستان میں قائم کیں۔

حیدر علی اب تین جانب سے دشمنوں سے گھرا تھا۔ شمال اور مغرب میں مرہٹے۔ شمال میں نظام اور مشرق میں انگریز اس کے وجود کو ختم کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اور تین جانب سے حملے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ لیکن حیدر علی ان تینوں فریقوں سے اکیلے نبٹنے کے لئے کافی ثابت ہوا۔

یہ تینوں طاقتیں جس گھڑی کا انتظار کر رہی تھیں، وہ آخر کار آگئی اور تینوں فریقوں کی فوجیں ایک ہی وقت میں چہار جانب سے میسور پر حملہ آور ہوئیں۔ بمبئی سے آنے والی انگریزی فوج نے مالابار ساحل کے سرداروں کو رشوت دیکر اور حیدر علی کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر کے منگلور پر قبضہ کر لیا۔ حیدر علی کو جب خبر ہوئی تو وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ منگلور پہنچا۔ انگریزی فوج کو جو اس

علاقے میں اپنی روائتی سازشوں سے بغاوت کی جراثیم پھیلا رہی تھیں شکست فاش ہوئی اور ان کا کوئی سپاہی اپنی ناکامی کی داستان سنانے کے لئے زندہ نہیں بچا۔ بعد ازاں حیدر علی نے مغربی گھاٹ کا رخ کیا جہاں سے مرہٹے میسور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اور انھیں وہاں سے مار بھگایا۔

۸ر جون کو کرنل ڈونلڈ کیمپبل (COL DONALD CAMPBELL) کی سرکردگی میں انگریزی فوج بڑھتی ہوئی وادی دبلہ تک پہنچ گئی، جہاں کرنل کیمپبل نے قلعدار کو بھاری رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور مالوہ گل کے مستحکم قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ کرنل اسمتھ کی سرکردگی میں ایک دوسری انگریزی فوج نے ۲۸ر جون کو بگھیر (BAGHIR) اور ۱۱ر جولائی کو ہسور (HASSUR) پر قبضہ کر لیا۔

اس دوران میں حیدر علی مغربی گھاٹ کے معرکوں کو سر کرنے اور مرہٹوں اور انگریزوں کو شکست پر شکست دینے میں مصروف تھا۔ مشرقی علاقے میں جب اسے انگریزوں کی شرارت کی خبر ہوئی تو وہ تیزی سے لوٹا، اور ۴ر اگست کو بنگلور میں داخل ہوا۔

حیدر علی نے مالوہ گل کا مستحکم قلعہ انگریزوں سے واپس لے لیا۔ انگریزی فوج کی بری طرح خبر لی گئی اور بھاگنے کے لئے انھیں راستہ نہیں ملتا تھا۔ جہاں جاتے تھے وہاں سے بھگائے جاتے تھے۔ حیدر علی ایک خونخوار باز کی طرح ان کبوتروں کا پیچھا کر رہا تھا۔ حیدر علی کے زبردست حملوں نے انگریزی فوج میں انتشار اور دہشت پیدا کر دی تھی۔ کرنل اسمتھ بھاگ کر مدراس پہنچا جہاں

اسے فوج کی کمان سے علیحدہ کر دیا گیا۔ ساتھ ساتھ حیدر علی کے جنرل فضل اللہ خاں نے ساحل مدراس کا رخ کیا اور متعدد شہر فتح کرتا ہوا ۴ر دسمبر کو مبٹور (OIMBATORE) کے مشہور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کیپٹن جانس کو شکست فاش دی اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ فرار پر مجبور کر دیا، اور اس کا پیچھا کرتا ہوا ترچناپلی پر قبضہ کر لیا۔ ادھر حیدر علی بھی دوسری جانب سے بڑھتا ہوا اور مختلف شہروں کو فتح کرتا ہوا مدراس کے قریبی ساحلی میدان پر اتنی تیزی سے حملہ ہوا جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

حیدر علی اب انگریزوں کے خلاف پوری طور سے صف آرا ہو چکے تھے۔ انھوں نے برطانوی افواج کو پے در پے ایسی شکستیں دیں جس کی مثال برطانوی ہند کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یرود (YIROD) کی جانب جاتے ہوئے انھوں نے راستے میں انگریزی فوج کا صفایا کر دیا۔ حملے کے چوبیس گھنٹے کے اندر یرود کے قلعہ سے برطانوی پرچم نیچے ہو گیا۔ اور برطانوی افراد رحم کے طلب گار ہوئے۔

ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصہ میں حیدر علی نے حملہ آور انگریز اور ان کے حواری نظام اور مرہٹوں کو میسور سے مار بھگایا۔ اور اب وہ برطانوی کمپنی کے علاقوں کو زیر زبر کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس کا جنرل فضل اللہ مدورا (MADURA) اور تینی ویلی (TINNEVELI) کے برطانوی صوبوں کو فتح کرتا ہوا دریائے کاویری کو پار کر گیا۔ دوسری جانب حیدر علی دریائے کاویری کے شمالی کنارے کے ساتھ مشرق کی طرف جنوری ۱۷۶۹ء میں بڑھتا گیا۔ اور اہتور (AHTUR) کے درہ سے ہوتا ہوا ایک طوفان کی طرح مدراس پریسیڈنسی کے اہم شہر پر چھا گیا۔

ایک سو تیس میل کا فاصلہ تین دن میں طے کر کے حیدر علی نے ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو اپنے خیمے مدراس سے پانچ میل کے فاصلہ پر نصب کر دئے۔ حیدر علی کی آمد برطانوی کمپنی کے لیئے قیامت سے کم نہ تھی۔ برطانوی کونسل کے ایوان میں زلزلہ پڑ گیا اور دست بستہ وہ صلح کے طلبگار ہوئے۔ کرنل مالیسن (COL MALLESON) کے قول کے مطابق

"مدراس کا پورا شہر یہاں تک کہ قلعہ بھی حیدر علی کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ جو شرائط چاہتا منوا سکتا تھا۔ اور در حقیقت اس نے ایسا ہی کیا اور اپنی شرائط منوائیں۔"

لیکن بہادر حیدر علی نے ان مکار اور سازشی انگریزوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ فراخدلی کا ثبوت دیا اور اس سانپ پر قابو پا کر اُسے زندہ چھوڑ دیا۔ جس نے آگے چل کر اس کے بہادر اور اولو العزم بیٹے ٹیپو سلطان کو ڈس لیا، اور رفتہ رفتہ سارے ہندوستان کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ حیدر علی کرور (KARUR) کا قلعہ اور متعدد انگریزی مقبوضہ اضلاع بطور تاوان حاصل کرنے پر ہی مطمئن ہو گیا اور اس عہد نامہ کے تحت جس پر ۴ اپریل ۱۷۶۹ء کو دستخط ہوئے۔ قیدیوں کا تبادلہ اور انگریزوں اور حیدر علی کے درمیان دفاعی معاہدہ ہوا۔

معاہدہ مدراس نے جنوبی ہند میں حیدر علی کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا۔ ہندوستان کے وسیع ملک میں حیدر علی کے قسم کا اگر ایک اور حکمراں بھی ہوتا تو اس ملک سے برطانوی استعمار کا جنازہ نکل گیا ہوتا۔

لیکن ابھی معاہدہ مدراس کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ "مہذب" انگریزی قوم نے اس کی خلاف ورزی شروع کر دی اور انھوں نے اپنی روایتی

سازشوں کا جال بچھانا شروع کیا۔ مرہٹوں کو میسور کے ایک حصہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا۔ حیدر علی نے اس حملے کے خلاف جب معاہدہ مدراس کے تحت انگریزوں سے مدد طلب کی تو انگریز مُکر گئے۔ حیدر علی نے مرہٹوں کو تو مار بھگایا، لیکن اس پر یہ بات واضح ہوگئی کہ انگریزوں کی بے ایمان اور جھوٹی قوم کسی معاہدہ کی پابند نہیں ہوتی ہے۔

۱۷۷۸ء میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑی تو برطانوی کمپنی نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مغربی ساحل پر واقع حیدر علی کے مقبوضہ بندرگاہ ماہی پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کرنل مالیسن کے قول کے مطابق:

"معاہدہ شکنی کی شاید ہی کبھی اتنی جلد سزا ملی ہو۔ ایک پہاڑی طوفان کی طرح حیدر علی میسور کے پلیٹو سے نیچے اترا۔ انگریزی فوج اس کی آمد کی خبر سے بھاگ کھڑی ہوئی اور میسور کے علاقے سے اُسے (برطانوی فوج کو) نکال باہر کیا گیا۔"

حیدر علی دشمن کے ملک میں گھستا چلا گیا اور اسنے مدراس سے ۴۲ میل کے فاصلہ پر کنجی پورم کو اپنا مستقر بنایا۔ بعد ازاں انگریزوں سے حیدر علی کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں حیدر علی اور اس کے بہادر بیٹے ٹیپو سلطان نے بہادری اور جنگی مہارت کے ایسے کارنامے دکھائے جن کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ کرنل مالیسن کے قول کے مطابق:

"حیدر علی نے یہاں ایک ایسی فوجی چال کا مظاہرہ کیا جس کی نقل چوبیس سال بعد دنیا کے سب سے بڑے جنرل (نپولین) نے اپنی پہلی

جنگی مہم میں کیا۔"

حیدر علی نے کرنل بیلی (COL. BAILLE) کو شکست فاش دے کر اسے حراست میں لے لیا۔ بکسر کی لڑائی کا فاتح سر ہکٹر منرو (SIR HECTOR MUNRO) کو جو انگریزی فوج کا سپہ سالار تھا۔ چنگال پٹ (CHENGAL POTT) کے مقام پر ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مدراس کے قلعہ سینٹ جارج میں بھاگ کر اس نے پناہ لی۔ حیدر علی کو روکنے کی تاب اب انگریزی فوج میں نہ تھی اور وہ اب اپنی عہد شکنی اور بے ایمانی کا خمیازہ بھگت رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ارکاٹ۔ انبر (AMBUR) اور چانبال پٹ کے برطانوی مقبوضہ شہروں پر حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔ ارکاٹ میں ایک بڑی برطانوی فوج متعین تھی، اس نے حیدر علی کے سامنے ہتھیار ڈال دیا۔ پے در پے شکستوں کے بعد انگریزی فوج کی کمان سے منرو کو برطرف کر دیا گیا اور ان کی جگہ سر آئر کوٹس (SIR EYRE COOTES) کو مقرر کیا گیا۔

برطانوی گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز کے سازشی دماغ نے ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال حیدر علی کے خلاف بچھانا شروع کر دیا۔ اس کی کوششوں سے مہاراجہ سندھیا۔ نظام اور برار کے راجہ کو حیدر علی سے کئے گئے معاہدے سے الگ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا گیا۔ لیکن حیدر علی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ سندھیا اور نظام اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ اور اس پر حملے کی ہمت نہ کر سکے اور محض تماشائی بنے دیکھتے رہے۔

حیدر علی اس دوران میں برطانوی سپہ سالار کوٹس اور اس کی فوج

کا پیچھا کرتا رہا۔ کوٹس میں حیدر علی کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ آخر کار ایک مقام پر آکر حیدر علی نے برطانوی فوج کو دھر لیا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں حیدر علی کے حلیف فرانسیسیوں کا ایک جنگی جہاز اس مقام کے قریب لنگر انداز ہوا جہاں برطانوی جنرل کوٹس اور اس کی فوج نے پناہ لی تھی۔ برطانوی فوج بری طرح گھر گئی تھی۔ ایک جانب حیدر علی پڑاؤ ڈالے پڑا تھا تو دوسری جانب فرانسیسیوں کا بحری جہاز اور اس کی فوج تھی۔ انگریزی فوج کے لئے مدراس سے آنے والی رسد کے تمام راستے منقطع ہو گئے تھے۔ اور قریب تھا کہ انگریزی فوج غذائی قلت سے تنگ آکر ہتھیار ڈال دے کہ فرانسیسی جہاز یکایک وہاں سے کوچ کر گیا۔ اور انگریزی فوج کے لئے مدراس سے رسد حاصل کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔ پھر بھی برطانوی فوج کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہ تھا۔ مجبوراً ایک شب کو اس نے حیدر علی کی فوج پر شبخون مارا۔ لیکن اس میں برطانوی فوج کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا اور سینکڑوں انگریز فوجیوں کی لاش چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ۷ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو ستر سال کی عمر میں کینسر کے موذی مرض نے حیدر علی کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس طرح غیر ملکی برطانوی استعمار کے خلاف ملکی جدوجہد کا سب سے روشن اور کامیاب باب مکمل ہونے سے قبل ختم ہو گیا۔

ٹیپو سلطان

ریاست میسور کا صدر مقام سرنگاپٹم چہار جانب سے زبردست حملہ آور فوجوں سے گھرا ہوا تھا۔ ان افواج میں انگریزوں مرہٹوں اور نظام کی فوجیں شامل تھیں۔

انگریزوں۔ مرہٹوں اور نظام کے سہ فریقی معاہدہ کے تحت ان کی متحدہ افواج نے میسور پر حملہ کر دیا تھا۔ انگریزوں نے تو معاہدہ شکنی کی تھی۔ سلطان ٹیپو اس متحدہ افواج سے تن تنہا نمٹنے کے لیے کافی تھا، لیکن اس کی ریاست اور فوج کے اہم منصب داروں کی غداری نے اسے پیچھے ہٹ کر اپنے دار السلطنت سرنگاپٹم کے دفاع پر مجبور کیا۔ انگریزوں نے میسور کے اہم منصب داروں سے سازش کر کے اور انھیں جاہ و منزلت کے سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور سرنگاپٹم پر حملے کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ منصوبہ کے مطابق اس دن غدار میر صادق نے جو ریاست کا وزیر اعظم تھا، فوجیوں کو تنخواہ تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ٹھیک اس وقت جب میسور کے سپاہی تنخواہ لینے میں مصروف تھے۔ انگریزوں نے قلعہ کے مقرر کردہ

حصہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ محافظ دستہ لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اور سلطان کے مایۂ ناز جانباز عبدالغفار نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ اس طرح اتحادی فوج سرنگا پٹم کے قلعہ میں داخل ہو گئی۔

سلطان اس وقت دوپہر کا خاصہ تناول کر رہا تھا۔ جب اسے اپنے اہم منصب داروں کی غداری اور اتحادی فوج کی قلعہ میں داخلے کی خبر ہوئی تو کھانے کو چھوڑ کر اور تلوار ہاتھ میں لے کر وہ قلعہ کے اس حصے کی طرف لپکا، جہاں میسور کے سپاہی اتحادی فوجوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہاں وہ کافی دیر تک دست بدست جنگ کرتا رہا۔ اس دوران اسے انگریزوں کا باجگزار بننے کی پیش کش کی گئی۔ لیکن شیر دل سلطان نے سے حقارت سے ٹھکرا دیا، اور اس نے جو جواب دیا وہ جرأت اور بہادری کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس نے کہا:

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے وہ بہت جانبازی اور دلیری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اور اس طرح اس نے قومی جنگ آزادی میں اہم ترین مقام حاصل کیا۔

ٹیپو سلطان کو جن کا شمار برصغیر کے انتہائی باصلاحیت بہادر اور روشن خیال حکمرانوں میں ہوتا ہے انتہائی نامساعد حالات سے مقابلہ کرنا پڑا۔ جبکہ ایک غیر ملکی طاقت نے برصغیر کے بیشتر حصے پر اپنا اقتدار جما لیا تھا۔ مرہٹوں اور نظام کو اپنے ساتھ ملا کر میسور کی مسلمان ریاست کو ختم کرنے کی وہ سازشیں تیار کر رہی تھی۔ جو ہندوستان میں اس کے اقتدار

کے قیام میں واحد رکاوٹ تھی۔ اس شیردل سلطان نے ان نامساعد حالات اور اپنے سے کئی گنا طاقتور فوجوں کا بڑی بہادری اور بے جگری سے مقابلہ کیا اور اس کے خلاف اگر غیر ملکی استعمار کی گھٹیا سازشیں اور اپنوں کی غداری شریک کار نہ ہوتی تو اس برصغیر کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی اور غیر ملکی استعمار کے ناپاک وجود سے ہندوستان کی مقدس سرزمین پاک ہو جاتی اور اس وسیع خطہ زمین پر اسلامی پرچم لہراتا ہوتا۔

سلطان فتح علی خاں پادشاہ جو تاریخ عالم میں ٹیپو سلطان کے نام سے مشہور ہیں ۲۰ نومبر ۱۷۵۰ء کو دیون ہالی میں پیدا ہوئے۔ وہ والی میسور حیدر علی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کا نام ارکاٹ کے ایک درویش ٹیپو مستان کے نام پر رکھا گیا جنھوں نے ان کی پیدائش کی دعا کی تھی۔ ٹیپو سلطان کو ایام شہزادگی میں بہترین تعلیم اور جنگی تربیت دی گئی۔ وہ مختلف علوم و فنون میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے اور عربی، فارسی اور اردو بڑی روانی سے بولتے تھے۔ نوجوان ٹیپو سلطان پر ان کی والدہ کا بڑا اثر تھا جن کی تربیت نے ان میں وہ اوصاف حمیدہ پیدا کیے جنھوں نے ٹیپو سلطان کا نام تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لئے روشن کر دیا۔

نوجوان ٹیپو سلطان اپنے والد حیدر علی والی میسور کا دست راست ثابت ہوا۔ اور حیدر علی کی شاندار فتوحات میں ٹیپو سلطان کے طوفانی حملوں اور جنگی چالوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ متعدد مقامات اور اوقات پر ٹیپو سلطان نے انگریزوں اور مرہٹوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور انھیں ذلت آمیز شکست دے کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ انگریزوں پر تو ٹیپو سلطان کی ایسی دھاک

بیٹھ گئی تھی کہ وہ اس کے نام سے لرزتے تھے۔ اور اس کے طوفانی حملوں کی بازگشت انگلستان کے خاندانوں میں سنائی دیتی تھی جہاں مائیں اپنے بچوں کو ٹیپو سلطان کے نام سے ڈرایا کرتی تھیں۔

انگریزوں کے خلاف حیدر علی کی لڑائیوں میں ٹیپو سلطان کی اولین شرکت ۱۹ر جون ۱۷۶۷ء کو ہوئی جبکہ اس کا باپ خطرناک حالات میں گھر گیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے اپنی برق رفتاری اور طوفانی حملوں سے برطانوی جنرل کو پسپائی پر مجبور کر دیا اور اس طرح تیر نبیر اور یانیم بادی کے خطوں کو غنیم سے چھین لیا۔ بعدازاں اُسے مالابار کے مغربی ساحل پر لطف علی بیگ کی امداد کرنے کا حکم ہوا۔ ٹیپو سلطان نے بڑی برق رفتاری سے یلغار کر کے منگلور پر قبضہ کر لیا۔ برطانوی فوج اس کے طوفانی حملوں کی تاب نہ لا کر بدحواسی میں مدراس کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔

مرہٹوں کے خلاف حیدر علی کی لڑائیوں میں ٹیپو سلطان کی برق رفتار یلغاروں طوفانی حملوں اور جنگی چالوں نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا اور مرہٹوں کو اس بہادر شہزادے نے ہمیشہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ جولائی ۱۷۸۰ء میں حیدر علی اپنی اسی ہزار فوج لے کر کرناٹک کے میدان میں ایک پہاڑی طوفان کی طرح نازل ہوا۔ اس موقع پر ٹیپو سلطان کو کرنل بیلی کی افواج کو روکنے کا کام سپرد ہوا تھا، تاکہ وہ بڑی برطانوی فوج سے مل نہ سکے۔ شہزادے نے ایک ماہرانہ جنگی چال سے کرنل بیلی کی فوج کو جا لیا اور اسے شکست فاش دی۔ کرنل بیلی ڈیڑھ سو انگریز سپاہیوں کے ساتھ گرفتار ہوا۔ سر ٹامس منرو

قول کے مطابق:

"کرنل بیلی کی شکست ہندوستان میں برطانوی حکومت کی شرمناک ترین شکست تسلیم کی جاتی ہے۔"

سر آئر کوٹ (SIR EYRE COOTES) رقم طراز ہے:

"اگر حیدر علی اپنی فتح کے نتیجے میں آگے بڑھتا جاتا تو جنوبی ہند کا سب سے اہم قلعہ (مدراس) اس کے قبضہ میں ہوتا۔"

اور جنوبی ہند کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔ لیکن بدحواس اور شکست خوردہ منرو کا تعاقب کرنے کے بجائے وہ ارکاٹ پر قبضہ کرنے کے لئے تیزی سے بڑھا اور اس طرح جنوبی ہند پر مکمل قبضہ کرنے کا زرین موقع اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

شہزادے ٹیپو سلطان نے ایک اور شاندار فتح ۱۸ فروری ۱۷۸۲ء کو برطانوی کمانڈر کرنل برتھویٹ (COL BRAITHWAITE) کے خلاف تنجور کے مقام پر حاصل کی اور اس طرح اس علاقہ کو برطانوی ریشہ دوانیوں سے پاک کر دیا۔ ٹیپو سلطان پونانی کے محاصرہ کئے ہوئے تھا، جبکہ اسے اپنے باپ کے انتقال کی خبر ملی۔ وہ فی الفور چتور کو روانہ ہو گیا، جہاں اس کے باپ کا انتقال ہوا تھا اور ۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء کو ۳۲ سال کی عمر میں وہ میسور کی وسیع اور عظیم مملکت کا حکمراں بنا۔

ٹیپو سلطان ایک بڑا ہوشمند اور باصلاحیت حکمراں تھا۔ اس کا نصب العین اپنے وطن کو غیر ملکی سامراج سے پاک کرنا تھا۔ جس نے ریشہ دوانیوں

اور سازشوں کے ذریعہ برصغیر کے بہت بڑے حصے پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ جس کی نظروں میں میسور کی طاقتور حکومت کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، اور جس سے چھٹکارہ پانے کے لئے وہ ہر قسم کی سازشوں سے کام لے رہا تھا ٹیپو سلطان کو اپنے مشن کی دشواریوں کا شدید احساس تھا۔ وہ چاہتا تو ہندوستان کی دیگر ریاستوں۔ نظام۔ مرہٹوں۔ اودھ اور بنگال کی طرح انگریزوں کی باجگزاری قبول کر کے اپنی مملکت کے وجود کو قائم رکھ سکتا تھا، لیکن وہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا وہ یقیناً اپنے مشن میں کامیاب ہو جاتا، اور اس کے خلاف انگریز۔ مرہٹوں اور نظام کے اتحاد ثلاثہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ لیکن انگریزوں نے اپنے روایتی اوچھے ہتھیاروں کو بروئے کار لاتے ہوئے ریاست میسور میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور اس مملکت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی وفاداریاں خرید لیں۔ ان میں دیوان پورنیہ۔ وزیر اعظم میر صادق اور وزیر مال غلام علی لنگڑے شامل تھے۔ جو درپردہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ اس طرح ٹیپو سلطان کو غیروں اور اتحاد ثلاثہ کی افواج سے زیادہ اپنوں کی غداریوں نے نقصان پہنچایا۔ اور آخر کار وہ ان طاغوتی طاقتوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا، جس کے بعد اس کا عزیز وطن مکمل طور پر غیر ملکی سامراج کے زیر اقتدار چلا گیا۔ جو اس کی شہادت کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد تک برصغیر پر مسلط رہا۔

میسور کے اس شیر دل سلطان کی ساری زندگی غیر ملکی سامراج اور

ان کے حواریوں سے جنگ کرتے گزری۔ شہزادگی کے زمانے میں اس نے اپنے باپ حیدر علی کے ساتھ ان جنگوں میں حصہ لیا۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد وہ بذات خود اس غیر ملکی استعمار اور ان کے حواریوں کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور شر انگیزیوں سے نبرد آزما ہوتا رہا۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک مجاہد تھا اور خدائے قدوس نے اسے شہادت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیا۔ وہ حقیقی معنوں میں برصغیر کا عظیم ترین قوم پرست تھا جس نے غیر ملکی سامراج کے خلاف اپنے ملک کے دفاع کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔

ٹیپو سلطان کا شمار اٹھارہویں صدی کے عظیم ترین جنرلوں میں ہوتا ہے۔ اس کے طوفانی حملوں، اس کی برق رفتار یلغاروں اور جنگی چالوں نے برطانوی سامراج اور ان کے حواریوں کو ہمیشہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اور برطانوی سامراج کو برصغیر میں سب سے زیادہ ذلت آمیز شکستیں اسی شیر میسور کے ہاتھوں اٹھانا پڑیں۔

ٹیپو سلطان جب تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے کو دشمنوں سے گھرا ہوا پایا۔ مرہٹے اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ہراساں تھے اور اس سے بغض رکھتے تھے۔ یہی حال نظام کا تھا، جب برطانوی سامراجیوں نے مرہٹوں اور نظام کو سبز باغ دکھا کر ٹیپو سلطان کے خلاف صف آرا کرنا چاہا تو وہ آسانی سے انگریزوں کے جال میں پھنس گئے اور اس کی سازش میں شریک کار ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے دیسی حکمرانوں کو اس غیر ملکی خطرے سے خبردار کیا جو سارے برصغیر پر مسلط ہوتا جا رہا تھا، لیکن حرص اور طمع نے ان کی

آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی مملکت میں انھیں حصہ دار بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ خود غرضی نے مرہٹوں اور نظام کو اندھا کر دیا تھا۔ برطانوی گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے مرہٹوں اور نظام کو ریاست میسور میں حصہ دار بنانے کا سبز باغ دکھا کر ان سے میسور کے خلاف اتحاد ثلاثہ کر لیا تھا۔

تخت نشین ہونے کے بعد ہی ٹیپو سلطان کو ساحل مالابار پر برطانوی افواج سے مقابلہ کرنا پڑا۔ میسور کے گورنر ایاز کی غداری کی وجہ سے بدنور پر جنرل میتھوز (MATHEWS) کا ۲۸ جنوری ۱۷۸۳ء کو قبضہ ہو گیا۔ سلطان نے لطف علی بیگ کو انگریزوں کی سرکوبی کے لئے فی الفور روانہ کیا لیکن وہ تاخیر سے پہنچا اور اس دوران میں برطانوی سپاہیوں نے عورتوں، بچوں اور مردوں کو بڑی بے دردی سے تہ تیغ کر دیا۔ برطانوی مورخ ملز (MILLS) کے قول کے مطابق

"یہ حکم صادر کیا گیا تھا کہ ہر شخص کو تہ تیغ کر دیا جائے اور کسی کو چھوڑا نہ جائے۔ جس افسر نے اس حکم کو بجا لانے پر نرمی کی اسے تنبیہہ کی گئی۔" (تاریخ برطانوی ہند۔ مصنفہ ملز)

سلطان کو جب اس قتل عام کی خبر ہوئی تو اسے انتہائی دکھ پہنچا اور وہ ایک خونخوار شیر کی طرح جھپٹا اور برق رفتاری سے یلغار کرتا ہوا بدنور پہنچا۔ اور اچانک جنرل میتھوز کی افواج کے درمیان گھستا چلا گیا۔ برطانوی جنرل بھلا شیر میسور کے سامنے کہاں ٹھہر سکتا تھا، اس نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آخر کار برطانوی جنرل کو سلطان کے شرائط پر ہتھیار ڈالنا پڑے ۲۰ رمئی ۱۷۸۳ء کو سلطان منگلور پہنچا، برطانوی فوج سلطان کے پہلے ہی حملہ کی

تاب نہ لاسکی اور جان و مال کا بھاری نقصان اٹھا کر پسپا ہوئی۔ برطانوی کمانڈر کیمبل (CAMPBELL) قلعہ بند ہوگیا۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ ۲۹ جنوری ۱۷۸۴ء کو آخر کار ہتھیار ڈال دئے۔ سلطان نے ہزیمت خوردہ برطانوی افواج سے بڑی فراخدلی کا سلوک کیا۔ اور برطانوی حکومت مدراس کے ریکارڈ کے مطابق:

"ہزیمت خوردہ اور محصور برطانوی کمانڈر سے سلطان نے جو عہدنامہ کیا تھا اس کی اس نے سختی سے پابندی کی۔"

یہ صلحنامہ منگلور کے نام سے مشہور ہے۔

برطانوی استعمار سے سلطان کو اس قدر نفرت تھی اور وہ اس کے اقتدار کو ہندوستان کے لئے اتنا نقصان دہ سمجھتا تھا کہ اس کو ملک بدر کرنے کے لئے اس نے فرانسیسی فاتح نپولین اور سلطان ترکی سے مدد مانگی جو اسے ستیاب نہ ہوسکی۔

اپنی گزشتہ روایات کے مطابق برطانوی حکومت نے صلحنامہ منگلور کی بھی پابندی نہیں کی اور وہ اس کو توڑنے کے لئے نت نئے حیلے تلاش کرنے لگی نو وارد برطانوی گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے ریاست میسور کے علاقوں کی تقسیم کا سبز باغ دکھا کر مرہٹوں اور نظام سے اتحاد ثلاثہ کیا۔ غیر ملکی حکومت نے دو طاقتور دیسی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملا کر میسور پر سازشوں کا جال بچھانا شروع کردیا اور ریاست کے اہم منصب داروں اور اہلکاروں کی وفاداریاں بھاری رشوتیں دے کر اور بڑے بڑے وعدے وعید کرکے

خرید لیں۔ یہ ساری تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ۲۶ مئی ۱۷۹۰ء کو جنرل میڈوز (MEDOWS) نے کسی اشتعال کے بغیر تیسری جنگ میسور کا آغاز کردیا۔ اور ۲۱ جولائی کو کمبا ٹور (COIMBATORE) پر قبضہ کر لیا۔ سیتا منگلم (SATYAMANGALEM) کے مقام پر انگریزوں سے پہلی مٹ بھیڑ ہوئی۔ سلطان نے برطانوی فوج کو مار بھگایا۔ سلطان کے طوفانی حملوں نے برطانوی سامراجیوں کا شیرازہ منتشر کردیا۔ سلطان جب برطانوی فوج کے اہم حصے پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا تو کرشنا راؤ کی غداری نے اس کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ کرشنا راؤ نے بنگلور لارڈ کارنواس کے حوالہ کردیا۔ سلطان کو اپنا دارالخلافہ سرنگا پٹم کو بچانے کے لئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اتحادی فوجوں نے جب سرنگا پٹم پر حملہ کیا تو انہیں بھاری نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ سلطان نے انہیں پیچھے ڈھکیل دیا اور بنگلور کی جانب انہیں واپس آنا پڑا۔ اپنوں کی غداری نے آخر کار سلطان کو اتحادیوں سے صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور اس صلح کی شرائط کے تحت اسے اپنا کافی علاقہ دشمن کے حوالے کرنا پڑا۔

لارڈ ویلزلی جو نیا برطانوی گورنر جنرل مقرر ہوا تھا ۱۷۹۹ء میں مدراس پہنچا۔ سلطان سے صلح نامہ کے برخلاف مدراس میں اس نے مرہٹوں اور نظام سے خفیہ معاہدہ کیا اور ریاست میسور کے غدار اہلکاروں سے سازباز کرکے ریاست میسور پر حملے کا منصوبہ تیار کیا۔ جنرل ہیرس (HARRiS) نے ویلور (VELLORE) اور جنرل اسٹووارٹ (STWART) نے

کنانور (CANNANORE) سے ۳ر فروری ۱۷۹۹ء کو ریاست میسور پر حملہ کر دیا۔ آرتھر ویلزلی حیدر آبادی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ سلطان ٹیپو کو اتحادیوں کی اس معاہدہ شکنی اور کسی اشتعال کے بغیر اپنے علاقے پر حملہ سے سخت تعجب ہوا۔ اس نے بڑی جوانمردی اور دلیری سے اتحادیوں کا مقابلہ کیا اگر اس کے اہلکاروں اور اہم منصب داروں کی غداری اتحادیوں کی شریک حال نہ ہوتی تو سلطان ٹیپو اتحادی فوجوں کو شکست فاش دیتا۔ لیکن اپنوں کی غداری نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ دشمن کی فوجیں ۱۷ اپریل ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹم کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔

اتحادیوں نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا اور آخر کار میسور کے وزیر اعظم میر صادق کی غداری کی وجہ جس نے فوجیوں کو تنخواہ تقسیم کرنی شروع کر دی اتحادی فوجیں سرنگا پٹم میں ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو داخل ہو گئیں، اور سلطان نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

اس طرح یہ عظیم اور شیر دل حکمراں اپنے وطن پر نثار ہو گیا۔ وہ برصغیر میں غیر ملکی سامراج کے حصول اقتدار میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا جو اپنوں کی غداری سے دور ہو گئی۔ برطانوی گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کو جب سلطان کی شہادت کی خبر ہوئی تو وہ خوشی سے چیخ اٹھا:

"اب ہندوستان ہمارا ہے۔"

جنرل بخت خاں

دنیائے اسلام نے اپنے زمانۂ عروج میں ہی نہیں بلکہ اپنے زوال کے ایام میں بھی بڑے بڑے نامور بہادر پیدا کئے جنھوں نے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دئے اور اکثر و بیشتر جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ دیا۔ خلافت راشدہ اور خلافت بنو امیہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس زمانہ کی عظیم ترین سلطنتوں کے چراغ گل کر دئے تھے اور ان کا پرچم سرعت کے ساتھ چہار دانگ عالم میں لہرایا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کے اس عروج کے زمانہ میں حضرت امیر حمزہؓ۔ حضرت علیؓ حضرت خالد بن ولیدؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح حضرت عمرو بن عاصؓ، اور بعد ازاں عتبہ۔ موسیٰ بن نصیر۔ طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم ایسے نامور بہادر اور سپہ سالار پیدا ہوئے۔ جنھوں نے بڑی بڑی فوجوں سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا۔ دنیائے اسلام کے انحطاط کے زمانے میں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی۔ موسیٰ (غرناطہ) احمد شاہ ابدالی۔ ٹیپو سلطان۔ انور بے۔ مصطفیٰ کمال۔ جنرل

بخت خاں اور مولوی احمد اللہ فیض آبادی نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے اور بارہا، میدان جنگ سے انھیں فرار پر مجبور کیا۔

مسلمانوں کی اس بے مثال دلیری اور بہادری کا راز خداوند تعالیٰ سے متعلق ان کے غیر متزلزل ایمان اور شہادت کی تمنا میں مضمر ہے۔ کفار کے خلاف جنگ میں شہادت ان کی زندگی کی سب سے بڑی سعادت رہی ہے۔ بقول اقبال:

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن　　　نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اسلامی ہند کے زوال کے زمانے میں بھی بڑے بڑے بہادر اور جنرل مسلمانوں میں پیدا ہوئے انھیں میں ایک جنرل بخت خاں بھی تھا لیکن برصغیر ہندوپاکستان کا ایک بڑا المیہ یہ رہا ہے کہ اس ملک میں غیر ملکی استعمار کو کامیاب اور مستحکم کرنے میں غیر ملکیوں کی تلوار سے زیادہ اپنوں کی غداری نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی یہی چیز کارفرما نظر آتی ہے۔ جبکہ یو۔پی بہار۔ بنگال اور وسطی ہند سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اور ان علاقوں میں آزادی کا پرچم بلند ہو گیا تھا۔ پنجاب کے مسلمان خاندانوں اور سکھوں اور نیپال کے گورکھوں نے اس غیر ملکی استعمار کو ایک بار پھر کامیاب اور مستحکم کرنے میں قوم سے غداری کرتے ہوئے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور اس طرح جیتی ہوئی بازی کا پانسہ پلٹ گیا۔ پنجاب اگر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کا ساتھ نہ دیتا تو یہ ملک اب سے سو سال قبل آزاد ہو چکا ہوتا، اور یہاں اسلامی حکومت کا پرچم لہرا رہا ہوتا۔ حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ ہندو مسلمان سبھی نے بہادر شاہ کو ہندوستان کا حکمراں تسلیم کر لیا تھا، اور ان کی حکومت کو

خوش آمدید کہا تھا۔

ایسے وقت میں جب انگریز اپنا بوریہ بستر سنبھال کر ہندوستان سے رخصت ہونا چاہتے تھے اور یوپی، بہار، بنگال اور وسطی ہند میں وہ چھپتے پھر رہے تھے۔ پنجاب کے سکھوں اور مسلمان خاندانوں نے برطانوی استعمار کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا۔ پٹیالہ۔ نابھ اور جیند کی سکھ ریاستوں اور پنجابی مسلمانوں کے متعدد بڑے بڑے خاندانوں نے قومی انقلاب کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور اس غداری کے عوض میں بعد ازاں انھیں بڑی بڑی جاگیریں اور منصب عطا کئے گئے۔ اس طرح ۱۸۵۷ء کے قومی انقلاب کی قبر پنجاب میں کھودی گئی اور اس میں سکھوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جان لارنس نے صحیح لکھا ہے:

"اگر پنجاب بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر ہم برباد ہو جاتے۔ جب تک مدد شمالی صوبوں سے یہاں تک پہونچتی فرنگیوں کی ہڈیاں دھوپ میں خشک ہو جاتیں اور انگلستان کو مشرق سے اپنا بوریہ بستر سنبھال کر رخصت ہونا پڑتا۔"

اُدھر دہلی میں بھی غدار اپنے کام سے لگے ہوئے تھے۔ باغیوں نے جنرل بخت خاں کی سرکردگی میں دہلی میں انگریزوں کا مقابلہ کیا اگر بہادر شاہ ظفر جنرل بخت خاں کے مشورہ پر عمل کرتے تو لڑائی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا، اور انگریزوں کو وہ کامیابی ہرگز نہ ہوتی جو بعد ازاں سکھوں اور پنجابیوں کی مدد سے انھیں نصیب ہوئی۔ لیکن غداروں نے کمزور اور ضعیف بہادر شاہ ظفر اور

ان کے کم عقل بیٹوں کو بخت خاں سے بدظن کر دیا۔ ان غداروں میں بہادر شاہ ظفر کا سمدھی میرزا الٰہی بخش خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

برطانوی حکومت دہلی کی اہمیت سے بخوبی واقف تھی اور اسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے وہ اپنی ساری طاقت داؤں پر لگانے کو تیار ہو گئی۔ دہلی کے بغیر سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کا برطانوی خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا اس لئے سکھوں۔ مسلمان پنجابیوں اور گورکھوں کی کمک جب برطانوی حکام کو ملی تو وہ دہلی پر چڑھ دوڑے۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ نابھہ اور جیند نے آٹھ ہزار سکھ سپاہیوں کو انگریزوں کی مدد کے لئے بھیجا۔ پنجابی مسلمان اور گورکھا سپاہیوں کی کمک اس کے علاوہ تھی۔ برطانوی کمانڈر انچیف اینسن (ANSON) کو جب یہ دیسی افواج کی امداد ملی تو اس نے فی الفور دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ لیکن بوڑھا برطانوی کمانڈر انچیف دیسی افواج کی بغاوت اور ہندوستانی عوام کے جذبۂ آزادی سے اس قدر ہراساں ہو گیا تھا کہ ۲۸ مئی ۱۸۵۷ء کو رات ہی میں کرنال کے مقام پر اس کا انتقال ہو گیا۔ اور اس فوج کی کمان ہنری برنارڈ (HENRY BERNARD) نے سنبھالی۔

برطانوی فوج جس میں سکھ۔ گورکھے اور پنجابی مسلمان سپاہیوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ بلا کسی رکاوٹ اور مزاحمت کے آگے بڑھتی رہی اور جون ۱۸۵۷ء میں دہلی کے قریب بندیل کی سرائے تک پہنچ گئی۔ دہلی میں انقلابیوں کو جب برطانوی فوج کی آمد کی خبر ہوئی تو ایک مغل شہزادہ کی سرکردگی میں ایک غیر منظم فوج ان کے مقابلے کے لئے بھیجی گئی، جس میں انقلابیوں کو شکست ہوئی۔ برطانوی

فوج نے آگے بڑھ کر دریائے جمنا کے کنارے ایک بلند مقام پر اپنے مورچے قائم کرلئے جہاں سے دہلی میں انقلابیوں کے سارے مورچے زد میں آگئے تھے۔

برطانوی افواج کو اس کا یقین ہوگیا تھا کہ دہلی پر قبضہ کرنا اب ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور ان کے خواب کو شرمندہ تعبیر ہونے میں زیادہ سے زیادہ ایک دو دن کی بات ہے۔ لیکن اسی دوران میں روہیلکھنڈ سے ایک فوجی دستہ دہلی میں وارد ہوا جس کی کمان ایک انتہائی بہادر۔ دوراندیش اور باہمت شخص بخت خاں کے ہاتھ میں تھی۔ جنرل بخت خاں اس سے قبل برطانوی فوج میں کام کرچکا تھا اور انگریزوں کے ہتھکنڈوں اور چالوں سے واقف تھا۔ بخت خاں کی پرجوش قیادت نے دہلی کے انقلابیوں میں جان ڈال دی اور انھیں منظم کرکے ایک سیسے کی دیوار بنا دی، جس سے ٹکرا کر برطانوی فوج پاش پاش ہوگئی جنرل بخت خاں کے نام سے انگریز کانپتے تھے انھیں اب اپنے خواب کی تعبیر الٹی نظر آنے لگی تھی۔

جنرل بخت خاں نے انقلابیوں کی کمان سنبھالی، اس کے خلوص اور عزم نے انقلابیوں میں ہندوستان سے فرنگیوں کو نکال لینے کا ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔ برطانوی افواج نے بریگیڈیر جنرل چیمبرلین (CHAMBERLANE) اور مشہور فوجی انجینئر بیرڈ اسمتھ (BAIRDSMITH) کی منصوبہ بندی کے تحت ۴ جولائی کو دہلی پر ایک زبردست حملہ کیا لیکن جنرل بخت خاں نے انھیں شکست فاش دیکر پیچھے ڈھکیل دیا۔ برطانوی افواج بار بار دہلی پر حملہ کرتی تھیں، اور ہر بار انھیں

پیچھے ڈھکیل دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بندلی کی سرائے کے مقام پر گورکھے سپاہیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

بعدازاں جنرل بخت خاں برطانوی افواج پر جس میں زیادہ تر سکھ، اور پنجابی مسلمان شامل تھے۔ عقب سے بھی حملہ آور ہوا۔ برطانوی افواج میں بھگدڑ مچ گئی اور بخت خاں علی پور تک ان کو ڈھکیلتا ہوا لے گیا۔ ان لڑائیوں میں برطانوی افواج اور ان کے حواریوں کو سخت جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ برطانوی افواج کا کمانڈر انچیف برنارڈ (BERNARD) جنرل بخت خاں کے ہاتھوں ان ذلت آمیز شکستوں سے اتنا دل برداشتہ اور مایوس ہوا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مرتے وقت یہ الفاظ اس کی زبان پر تھے: "ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔"

اس کے جانشین جنرل ریڈ (RED) کی قسمت میں اس سے بھی زیادہ ناکامی مقدر ہو چکی تھی۔ اس کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ برطانوی افواج کو ایک زبردست دشمن کا سامنا ہے۔ جس کا مقابلہ ان کے بس کی بات نہیں ہے جنرل بخت خاں کے حملوں کی تاب اب برطانوی افواج میں نہ تھی اور وہ شیر کے سامنے بھیڑوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ ۱۴ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں نے ایک چھوٹی سی فوج لے کر جس میں چار پانچ ہزار سپاہیوں سے زیادہ نہ تھے، برطانوی افواج پر ایک سخت حملہ کیا اور دور تک اس میں گھستا چلا گیا۔ انگریز فوجی چلائے کہ "محاصرہ کرنے والے خود محصور ہو گئے"۔ اس حملہ میں برطانوی افواج کو شدید جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

اور جنرل بخت خاں کی ہیبت برطانوی افواج اور خصوصاً اس کے کمانڈر انچیف جنرل ریڈ پر اس قدر بیٹھ گئی کہ اس نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور ہمالیہ کے پہاڑوں میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔ اب برطانوی افواج کی کمان بریگیڈیر جنرل ولسن (WILSON) کے سپرد ہوئی۔

برطانوی افواج کے نئے کمانڈر انچیف نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ طاقت کے ذریعہ جنرل بخت خاں اور انقلابی فوجوں کو زیر کرنا ممکن نہیں ہے اور اس میں انگریزوں کو ناکامی کا سامنا ہوگا۔ اس لئے اس نے سازش اور رشوت کے روایتی برطانوی حربے آزمانے کا منصوبہ بنایا۔ اس طرح جو کام برطانوی تلوار سے ممکن نہ ہوا وہ اپنوں کی غداری نے سر انجام دیا۔ انگریزوں نے سازش رشوت اور لالچ کے اوچھے ہتھیار استعمال کر کے انقلابیوں میں پھوٹ ڈالی اور بادشاہ اور ان کے فرزندوں کو جنرل بخت خاں سے بدظن کر دیا۔ برطانوی کمانڈر انچیف نے اپنی ساری توجہ انقلابیوں میں پھوٹ ڈالنے پر صرف کر دی۔

"تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی روائتی برطانوی حکمت عملی کو انھوں نے کامیابی کے ساتھ دہلی میں آزمایا۔ جنرل بخت خاں اور ان کے نائب کرنل گوری شنکر جو انتہائی دلیر اور بہادر انسان تھے، انگریزوں کی چالبازی اور مکاری کا مقابلہ نہ کر سکے۔ جنرل بخت خاں نے چاری دالا کے مقام پر بارود کا ایک بڑا کارخانہ قائم کیا تھا۔ جسے ۷ اگست ۱۸۵۷ء کو انگریزوں کے ایک جاسوس، ایک ہندوستانی غدار نے اڑا دیا۔ اس سے انقلابیوں کو

سخت جانی نقصان پہنچا۔ ساتھ ساتھ طرح طرح کی افواہوں نے جو برطانوی جاسوسوں اور کرایہ کے لوگوں نے دہلی میں پھیلائیں۔ انقلابیوں کو ایک دوسرے سے بدظن کر دیا اور ان میں پھوٹ ڈال دی۔ اس سے انقلابیوں کی کافی بڑی جماعت جنرل بخت خاں سے الگ ہو گئی۔ ان غداروں میں بہادر شاہ ظفر کے بدنام درباری منشی میر رجب علی حکیم احسن اللہ اور بہادر شاہ کے سمدھی میرزا الٰہی بخش پیش پیش تھے۔ جو ہر وقت ضعیف مغل حکمراں کے کان جنرل بخت خاں اور انقلابیوں کے خلاف بھرا کرتے تھے۔ اور آخر کار انھوں نے بہادر شاہ کو بڑی حد تک بخت خاں سے بدظن کر دیا۔ وہ پس پردہ بہادر شاہ اور ان کے کم عقل شہزادوں سے یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد بخت خاں خود بادشاہ بن بیٹھے گا۔ سادہ لوح اور ضعیف بادشاہ بہادر شاہ ظفر ان غداروں کی باتوں میں آ گیا اور اس نے انقلابیوں سے کنارہ کشی کر لی۔ جنرل بخت خاں نے ہر طرح سے بادشاہ کو سمجھایا لیکن غداروں کا جادو اس پر اس قدر چل گیا تھا کہ بخت خاں کی باتوں کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ اور بادشاہ نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ انقلابیوں میں پہلے ہی پھوٹ پڑ چکی تھی۔ شاہی افواج میں بھی بدظنی اور مایوسی پھیل گئی۔ اب انگریزوں کے لئے میدان صاف تھا۔ جنرل بخت خاں نے بہت چاہا کہ بادشاہ فرنگیوں سے مقابلہ جاری رکھے، لیکن بادشاہ اس پر راضی نہیں ہوا۔ مجبوراً جنرل بخت خاں بھی انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہونے کے بجائے دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ وہ اپنوں کی غداری اور بے وفائی سے اس قدر

دل برداشتہ ہوگیا تھا کہ اس نے گمنامی کی زندگی کو ترجیح دیا۔ اور نیپال کے پہاڑوں میں ہمیشہ کے لئے غائب ہوگیا۔ اس طرح انقلاب غداری کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔ بخت خاں اور اس کے ساتھی جاں نثاری اور بہادری کے ایسے کارنامے اپنے پیچھے چھوڑ گئے جو تاریخ کے صفحات کی زینت بنے رہیں گے۔

اس طرح بخت خاں اور ان کے ساتھیوں کے جانے کے بعد ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ انگریز اور ان کے حواریوں اور دیسی غداروں نے دہلی میں وہ لوٹ مار مچائی اور قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم کیا جس کی مثال دہلی کی ہزار سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ بمبئی کے اخبار بمبئی ٹیلی گراف (BOMBAY TELEGRAPH) کے مطابق:

"جب برطانوی افواج دہلی میں داخل ہوئیں تو شہر کے اندر جو بھی سامنے آیا اسے سنگینوں کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ہزاروں آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ بعض بعض مکانوں میں تو چالیس پچاس آدمی تک چھپے ہوئے تھے، جو موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ شہر میں کسی مرد کی بھی زندگی خطرہ سے باہر نہ تھی۔"

پرسیول اسپیرز (PERCIVAL SPEARS) اپنی کتاب (TWILIGHT OF MUGHALS) میں رقم طراز ہے:

"دہلی پر برطانوی افواج کے قبضہ کے کئی دن بعد تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔"

اہالیان دہلی کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں سے باہر میدان میں قیام کریں اوران کے گھروں کو دفینوں کے تلاش میں کھود کر پھینک دیا گیا اور مکینوں کو مہینوں تک کے لئے آسمان کے نیچے سردی۔ بارش۔ بھوک اور پیاس کے مصائب برداشت کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ پرسیول اسپیر کے مطابق:

"ان خستہ حال اور خانماں برباد مسلمانوں پر بعد ازاں برطانوی حکام نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جن کا سلسلہ ہفتوں جاری رہا۔"

مسز سانڈرس لکھتی ہیں:

"دہلی کی ساری آبادی کو پہلے شہر بدر کیا گیا۔ شہر کا ہر مکان تباہی اور بربادی کی تصویر پیش کرتا تھا۔ اس عظیم شہر کے باشندے جو سات میل میں پھیلا ہوا تھا، بھوک اور پیاس سے ہزاروں کی تعداد میں روزانہ مر رہے تھے۔"

دہلی میں قتل وغارت، لوٹ مار کا سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ اور اس نے اس عظیم شہر کو جو مشرق کی ملکہ کہلاتا تھا، کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔ انگریزوں نے دہلی کے مسلمانوں پر جو ظلم وستم ڈھائے اس نے ہلاکو اور چنگیز کی غارت گریوں کو بھی ماند کر دیا۔ پرسیول اسپر کے بقول:

"پھانسی اور گولی مارنے کی سزا کے علاوہ جہاں کہیں بھی مقامی لوگ نظر آئے انھیں گولی مار دی جاتی تھی۔"

ہزاروں بڑے بڑے اور سر برآوردہ افراد فنا کے گھاٹ اتار دئے گئے

اور ان کے ساتھ قتل وغارت کے واقعات بھی فنا ہو گئے۔ کسی کو واقعات بتانے کی اجازت نہ تھی اور غیر مبالغہ آمیز اندازہ کے مطابق تقریباً پندرہ لاکھ نفوس کا خون دہلی کی سرزمین پر بہایا گیا۔ جس سے ہزاروں سال پرانا یہ دارالخلافہ جسنے بے شمار بادشاہوں اور شہنشاہوں کے قدم چومے تھے انسانی خون سے لالہ زار ہو گیا۔

دہلی میں مسلمانوں کی جائیدادوں اور پکی حویلیوں کو ہندو بنیوں نے اونے پونے بہت معمولی قیمت پر خرید لیا اور اس طرح مسلمانوں کی معاشی۔ معاشرتی اور اقتصادی تباہی کے بعد دہلی کا سیاسی اقتدار انگریزوں اور اقتصادی اقتدار ہندو بنیوں کے یہاں منتقل ہو گیا۔

شاعر غالب کے سوا سارے سربرآوردہ مسلمانوں کو یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا شہر بدر کر دیا گیا۔ مغل شہزادیوں کو جنھوں نے لال قلعہ سے کبھی باہر قدم نہیں اٹھایا تھا۔ دربدر کی ٹھوکریں کھانے۔ گھریلو ملازمت کرنے یہاں تک کہ بھیک مانگنے پر مجبور ہونا پڑا۔

غرضکہ جنرل بخت خاں کے مشورے کے خلاف عمل کر کے مغل سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر اور ان کے کوتاہ اندیش بیٹوں اور درباریوں نے دہلی پر انگریزوں کے تسلط کو ایک بار پھر استوار کر کے اہالیانِ دہلی پر ظلم وستم کا جو پہاڑ ڈھایا وہ ایک بڑی دردناک داستان ہے جس کا احاطہ اس مختصر مضمون میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مصطفیٰ کمال اتاترک

سلطان ترکی جو انیسویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کے مرد بیمار کے نام سے مشہور ہو گیا۔ انتہائی نازک صورت حال سے دوچار تھا۔ جنگِ عظیم اول ۱۹۱۴ء/۱۹ کے دوران عراق اور شام میں اس کی فوجوں کو زبردست برطانوی فوجوں کا سامنا تھا جو ہر قسم کے جدید آلات حرب سے آراستہ تھیں ان کا حلیف جرمنی ان کی کوئی امداد نہیں کر سکتا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ساری دنیا میں آل عثمان کا طوطی بولتا تھا۔ اور ان کا ڈنکا تینوں براعظموں میں بجتا تھا۔ مشرقی اور وسطی یورپ۔ شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے وسیع علاقے ان کے زیر اقتدار تھے۔ بحیرۂ روم۔ بحیرۂ اسود اور بحیرۂ قلزم میں ترکی کے بحری بیڑے کا مقابلہ کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ بایزید یلدرم سے لے کر سلطان سلیم اول تک آدھے درجن عثمانی حکمرانوں نے بڑے دبدبہ اور جبروت کے ساتھ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے وسیع علاقوں پر حکومت

کی۔ خلافت عثمانیہ کئی صدیوں تک دنیا کی طاقتور ترین سلطنت تھی۔ لیکن جیسے جیسے شان وشوکت اور عیش وعشرت کی جانب آلِ عثمان کی طبیعت راغب ہوتی گئی، ان کی عسکری قوت کمزور ہوتی گئی اور یورپ پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ یورپ کی بتیس عیسائی ریاستوں میں ترکی کی مسلمان ریاست بتیس دانتوں میں زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ یورپ کی عیسائی ریاستوں کی نگاہ میں یہ مسلمان سلطنت کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ اسے نقصان پہنچانے بلکہ ختم کرنے کی سازشیں تیار کرتی رہتی تھیں۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں جب خلافت عثمانیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو یورپ کی عیسائی ریاستوں نے زیادہ زور شور سے سر اٹھایا۔ وہ تو اسی تاک میں بیٹھی تھیں۔ انھوں نے خلافت عثمانیہ کو آئے دن جنگ وجدال میں الجھا دیا۔ خلافت عثمانیہ کی عسکری قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ عظیم اول تک اس کی تاریخ میں شاید کوئی دس سال ایسے نہیں گزرے جبکہ اسے ایک بڑی جنگ نہ لڑنی پڑی ہو۔ بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ۱۹۱۱ء میں جنگ طرابلس۔ ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان اور ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول میں بہادر ترکوں کو یورپ کی متعدد طاقتور حکومتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

جنگ عظیم اول میں اتحادیوں نے ترکوں کے خلاف تین محاذ شام فلسطین اور عراق میں کھولے اور ایک ترکی میں درۂ دانیال کے علاقہ میں کھولا۔ درۂ دانیال پر قبضہ کر کے وہ سلطنت ترکی کے دارالسلطنت قسطنطنیہ (استنبول) پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو نیوزی لینڈ کے جری سپاہی گیلی پولی

کے جزیرہ نما پر اتر گئے۔ جرمن کمانڈر وان سنڈرسن نے اتحادیوں کی اس مختصر سی فوج کو کوئی اہمیت نہیں دی، لیکن ان کے ماتحت کام کرنے والے نوجوان مصطفےٰ کمال نے اس کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور اسے اتحادیوں کی ہراول فوج تصور کر کے اس پر جوابی حملہ کر دیا۔ تقریباً چار ماہ تک اتحادی فوجیں اس پہاڑی پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہیں۔ جس کی دوسری جانب مصطفےٰ کمال اپنے مختصر رسالے کے ساتھ خیمہ زن تھا اور جو اتحادیوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا تھا۔ اتحادیوں نے نیوزی لینڈ۔ آسٹریلیا۔ انگلستان اور ہندوستان کی بہترین فوجیں اس حملہ میں جھونک دیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے سے قبل ہی مصطفےٰ کمال کی گولیوں کی بوچھار انھیں ہر بار پیچھے ڈھکیل دیتی تھیں۔ اتحادی فوجیں سمندر کی موجوں کی طرح پہاڑی کو سر کرنے کے لئے بڑھتی تھیں لیکن ہر بار مصطفےٰ کمال کی دفاعی چٹان سے ٹکرا کر واپس لوٹ آتی تھیں۔ آخر کار مہینوں کی ناکام کوشش کے بعد جس میں اتحادیوں کے ہزاروں سپاہی کھیت رہے اور بہت ساز و سامان چھوڑ کر وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

اگست ۱۹۱۵ء کے آخری دنوں میں مصطفےٰ کمال نے خلیج چونک پر اتحادیوں کے اہم محاذ پر قبضہ کر کے انھیں درہ دانیال کے علاقہ سے مار بھگایا۔ اور گیلی پولی میں اتحادیوں کی یہ مہم ناکام رہی جس میں انھیں جان و مال کا بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

مصطفےٰ کمال نے اس طرح جنگِ عظیم اول کی انتہائی فیصلہ کن جنگ جیت لی اور برطانیہ کو اس کی تاریخ کی سب سے عبرت ناک شکست کا یہاں سامنا کرنا پڑا۔

شہرۂ آفاق برطانوی وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے اپنی "لڑائی کی یادداشتوں" (WAR MEMOIRS) میں گیلی پولی میں اتحادیوں کی شکست کو برطانوی تاریخ کی سب سے بڑی شکست قرار دیا ہے۔ قسطنطنیہ میں نوجوان مصطفےٰ کمال کا شاندار استقبال کیا گیا اور اسے درہ دانیال اور ترکی کا محافظ اور نجات دہندہ قرار دیا گیا۔

مصطفےٰ کمال ۱۸۸۱ء میں سالونیکا کے ایک کسان خاندان میں پیدا ہوئے مقدونیا کے اس علاقے نے بڑے بڑے انقلابیوں کو جنم دیا ہے۔ ان کے باپ علی رضا لکڑی کا کاروبار کرتے تھے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا، اور کمسن مصطفےٰ کمال کی پرورش کے فرائض ان کی باصلاحیت والدہ زبیدہ خانم نے سرانجام دئے۔ مصطفےٰ کمال پڑھنے لکھنے میں بہت ہوشیار تھے۔ اور ابتدا ہی سے انہیں ریاضی سے شغف تھا۔ اسی لئے ان کے پروفیسروں نے ان کے نام کے ساتھ کمال کا لفظ لگا دیا تھا۔ انہیں فوجی تعلیم سے دلی لگاؤ تھا۔ انیس سال کی عمر میں فوجی کالج سے فارغ التحصیل ہو کر وہ قسطنطنیہ کے شاہی اسٹاف کالج میں سب لفٹیننٹ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

خلافت عثمانیہ اس وقت اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہی تھی۔ سلطان عبدالحمید کے دور حکومت میں ترکی کی اقتصادی اور سیاسی بدحالی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ یورپ کی عیسائی حکومتوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر مملکت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا تھا، اور آئے دن بغاوت کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ ایسے ماحول میں قسطنطنیہ کے شاہی اسٹاف کالج کے چند حساس نوجوان افسروں نے "وطن" نامی ایک انجمن بنائی جس کا مقصد

خلافت عثمانیہ کو سلطان حمید کی آمرانہ اور گندی حکومت سے نجات دلانا تھا۔ مصطفےٰ کمال اس انجمن کے سربراہ تھے۔

ترکی کی خفیہ پولیس نے آخر کار اس انجمن کا پتہ لگایا جو سلطان کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہی تھی۔ ایک رات جب اس انجمن کا اجلاس ہو رہا تھا پولیس نے اس کے اراکین کو گرفتار کر کے حوالۂ زنداں کر دیا۔

۱۹۰۵ء کی ایک شام تھی جبکہ ایک نوجوان فوجی افسر زنداں میں اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ مصطفےٰ کمال تھا جو سازش کے الزام میں گرفتار ہوا تھا۔ سلطان عبدالحمید کو ان نوجوان فوجی افسروں کو پھانسی دینے میں تامل تھا۔ یہ خلافت عثمانیہ کے مستقبل کے جنرل تھے اور انہیں پھانسی دینے سے ملک میں بغاوت کا خطرہ تھا۔ آخر کار انہیں آزاد کر دیا گیا اور ان کی نقل و حمل پر کڑی نگرانی رکھی جانے لگی۔

مصطفےٰ کمال کا تقرر دمشق میں متعین ایک رجمنٹ میں ہو گیا، جہاں اس نے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے "وطن و حریت" نامی ایک جماعت قائم کی۔ اسی دوران میں اسے انور بے کی قائم کردہ "انجمن اتحاد و ترقی" کی کاروائیوں کی خبریں برابر موصول ہوتی رہیں دونوں جماعتوں کا مقصد سلطنت عثمانیہ کو فرسودہ نظام حکومت سے نجات دلا کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں مصطفےٰ کمال کا تبادلہ سالونیکا ہو گیا جو انقلاب کا مرکز تھا۔ مصطفےٰ کمال نے بھی انجمن اتحاد و ترقی کی رکنیت حاصل کر لی۔ اسی سال نیازی نے مقدونیا کے کوہستانی علاقہ میں چند ساتھیوں کو لے کر بغاوت کا علم بلند کیا۔ ترکی کے عوام اس زمانے میں افلاس اور حکومت کے ظالمانہ نظام کے تحت کراہ رہے تھے۔ انور بے نے قسطنطنیہ پر

حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس کی خبر سلطان ترکی کو ہوگئی اور اس نے انقلابیوں کے زیادہ تر مطالبات منظور کر لیے۔

سلطنت عثمانیہ کا شمار دنیا کی عظیم ترین عسکری طاقتوں میں ہوتا تھا۔ یورپ کی تبیس عیسائی سلطنتوں میں یہ زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ سلطنتیں اسے نقصان پہنچانے اور ختم کر دینے کی ہمیشہ سازشیں کیا کرتی تھیں، اس لیے اس کی تاریخ کا شاید ہی کوئی عشرہ گزرا ہوگا جب ایسے دشمنوں سے برد آزما ہونا نہ پڑا ہو۔

۱۹۱۱ء میں اطالوی فوجوں نے اچانک طرابلس پر حملہ کر دیا۔ یہ علاقہ خلافت عثمانیہ کے زیر اقتدار تھا۔ اطالوی سپاہیوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ طرابلس کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہو گئی۔ مصطفےٰ کمال کو طرابلس روانہ کیا گیا جنھوں نے تبروک اور درنہ میں اطالوی فوجوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ ابھی طرابلس میں جنگ جاری تھی کہ جزیرہ نما بلقان میں ترکوں کے زیر اقتدار بلقان کے ملکوں نے علم بغاوت بلند کیا جس کی وجہ سے ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ترکوں کو اب طرابلس اور بلقان کے دو محاذوں پر متعدد دشمن ممالک سے برد آزمائی کا سامنا تھا۔ بلغاریہ کی فوجوں نے ادرنہ (ایڈریانوپل) پر قبضہ کر کے خلافت عثمانیہ کے صدر مقام قسطنطنیہ کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ یورپ کی عیسائی مملکتوں نے خلافت عثمانیہ کو یورپ سے نکال باہر کرنے کی سازش کی تھی۔ خلافت عثمانیہ کے وزراء جب ہتھیار ڈالنے سے متعلق گفت و شنید کر رہے تھے تو غازی انور بے زبردستی پارلیمان میں گھس گئے اور انھوں نے وزیر دفاع کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ بعد ازاں انھوں نے ترکوں

کی ایک جماعت کو لے کر ادرنہ پر حملہ کر دیا۔ اور اسے بلغاریوں کے چنگل سے آزاد کرالیا۔ سارا عالم اسلام انور بے کی اس جرأت آمیز اور خلاف توقع کامیابی سے خوشی سے چیخ اٹھا۔ انور بے اب ترکوں کا محبوب ترین قائد بن چکا تھا۔ اسے وزیر جنگ بنا دیا گیا اور مصطفےٰ کمال کو صوفیہ میں فوجی اتاچی بنا دیا گیا۔

۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم کا اعلان ہوا تو ترکی جرمنی کا حلیف بن گیا۔ وزیر جنگ انور بے خلافت عثمانیہ کی گزشتہ عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے جرمنی کے جنرل وان سینڈرس کو عثمانی افواج کا سپریم کمانڈر مقرر کیا اس کے تحت مصطفےٰ کمال نے ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی کے محاذ پر اتحادیوں کو شکست فاش دی۔ اور انگریزوں بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر گیلی پولی کے محاذ سے بے نیل ومرام بھاگنا پڑا۔ مصطفےٰ کمال کی اس شاندار فتح نے اتحادیوں کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ جو ترکوں کو یورپ سے نکال باہر کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ برطانوی تاریخ کی یہ سب سے شرمناک شکست تھی جو انگریزوں مصطفےٰ کمال کے ہاتھوں اٹھانی پڑی۔ اس غیر معمولی کامیابی نے مصطفےٰ کمال کو عظیم ترین عالمی فاتحین کی صف میں نمایاں جگہ دے دی۔

لیکن جنگ عظیم اول میں جرمنی کی شکست کا خمیازہ اس کے حلیف ترکی کو بھی اٹھانا پڑا۔ اتحادی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہوگئیں۔ اور سلطان وحید الدین اتحادیوں کا آلہ کار بن گیا۔ اتحادیوں کی ایما پر سلطان وحید الدین نے معاہدہ سیورس پر دستخط کر دیے جو خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کی دستاویز تھی۔ لیکن بہادر اور جری ترکوں نے اس ذلت آمیز معاہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور

مصطفےٰ کمال کی قیادت میں انھوں نے علم بغاوت بلند کردیا۔ ذلت آمیز زندگی سے وہ مرجانا بہتر سمجھتے تھے۔ غلامی کی زندگی پر وہ موت کو ترجیح دیتے تھے۔

سلطان وحید الدین تو اتحادیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا اس لیے مصطفےٰ کمال قسطنطنیہ سے فرار ہو کر اناطولیہ پہنچ گئے جہاں سے انھوں نے اتحادیوں کا مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سیواس کے مقام پر انھوں نے ایک قومی کانفرنس منعقد کی جہاں عزت سے زندہ رہنے یا مرجانے کا لوگوں نے حلف اٹھایا۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی جوش و خروش کی ایک لہر سارے ملک میں دوڑ گئی۔ ساری ترک قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند کھڑی ہو گئی۔ انھوں نے دشمن کو اپنی مقدس سرزمین سے نکال باہر کرنے کا عہد کیا۔

دس سال سے مسلسل جنگ کرنے کی وجہ سے ترکی سپاہی بری طور سے خستہ حال ہو چکے تھے۔ وہ تھک کر چور تھے لیکن ان کے آہنی عزم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور اسی آہنی عزم سے کام لے کر مصطفےٰ کمال نے اپنے نہتے اور نیم جان ساتھیوں کے ذریعہ حملہ آور یونانیوں کو ایسی شکست فاش دی جو تاریخ حرب میں کسی معجزے سے کم حیثیت نہیں رکھتی ہے اور جس نے اتحادیوں کو قسطنطنیہ سے اپنا بوریا بستر اٹھا کر بھاگنے پر مجبور کیا۔

مصطفےٰ کمال جب اناطولیہ میں ترکوں کی فوج مرتب کر رہا تھا قسطنطنیہ میں ترکی خلیفہ سلطان وحید الدین نے اتحادیوں کے ایما پر مصطفےٰ کمال کو کافر قرار دیا اور ان کے سر کے لئے بھاری انعام مقرر کیا۔ ساتھ ساتھ اتحادیوں کی ایما پر یونانیوں نے اناطولیہ پر حملہ کر دیا۔ یونانی فوجیں اتحادیوں کے فراہم کردہ

ہر قسم کے جدید ترین سامان حرب سے آراستہ تھیں۔ یونانیوں نے کسی مزاحمت کے بغیر سمرنا پر قبضہ کر لیا۔ یونانی وزیر اعظم سکندر اعظم کی سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے اتحادیوں کو یقین دلایا تھا کہ نہتے ترکوں کو جن کے پاس توپیں تک نہ تھیں دو چار دن میں فنا کے گھاٹ اتار دے گا

۱۹۲۱ء کا ابتدائی زمانہ مصطفےٰ کمال اور اس کی نوزائیدہ عوامی حکومت کے لئے بڑا نازک دور تھا یونانی افواج دریائے سکاریہ تک بڑھتی چلی گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ مصطفےٰ کمال کے صدر مقام انگورہ (انکارہ) پر قبضہ کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

انگورہ سے چند میل کے فاصلہ پر چن کایہ کے ایک چھوٹے مکان میں مصطفےٰ کمال اپنے نقشہ پر جھکے ہوئے تھے جو انھوں نے یونانیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا انھیں اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور نازک ترین معرکہ درپیش تھا جس سے ترکی قوم کی زندگی اور موت وابستہ تھی۔ ان کے پاس تھوڑے سے تربیت یافتہ فوجی تھے۔ اور باقیماندہ فوج غیر تربیت یافتہ قبائلیوں پر مشتمل تھی جن کے پاس بندوقوں کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ توپیں۔ سامان باربرداری ہوائی جہاز۔ گولے اور دیگر سامان حرب جس سے یونانی افواج لیس تھی۔ ترکوں کے پاس ان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ انھیں اپنے سے بہت زیادہ بڑی اور ہر قسم کے فوجی سامان حرب سے آراستہ فوج کا سامنا تھا۔

جولائی ۱۹۲۱ء کے پہلے ہفتہ میں یونانیوں نے زبردست حملہ کر کے افیان (AFION) پر قبضہ کر لیا اور اس کا شاکر (ESKASHAKIR) کی جانب بڑھیں۔ مصطفےٰ کمال نے اپنی غیر تربیت یافتہ فوجوں کو دو سو میل

پیچھے دریائے سکاریہ تک ہٹا لیا۔ یہ دریا ان کے صدر مقام انگورہ کے لئے آخری دفاعی لائن تھی۔ یہاں ۲۴ اگست ۱۹۲۱ء کو وہ تاریخی جنگ شروع ہوئی جو تاریخ حرب کی انتہائی خوفناک جنگوں میں شمار کی جاتی ہے۔

ابتدائی گولہ باری کے بعد یونانیوں نے ترکوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں اور چودہ دن کے جدال و قتال کے بعد یونانیوں کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور وہ بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ یونانی فوجیں بھاگتی ہوئی افیان تک پہنچ گئیں۔ راستے میں انھوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ ترک افواج اتنی تھک چکی تھیں کہ ان میں یونانیوں کا تعاقب کرنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

اقوام عالم جو ترک بیمار کے انتقال کی خبر کا انتظار کر رہی تھیں۔ ترکوں کی اس غیر متوقع فتح کی خبر سن کر حیرت زدہ ہو گئیں اور عالم اسلام تو مصطفےٰ کمال کی اس عظیم فتح کو سن کر خوشی سے چیخ اٹھا۔ ۲۶ اگست کو مصطفےٰ کمال نے ترکوں کو حکم دیا کہ "آگے بڑھو۔ تمہاری منزل بحیرۂ روم ہے" اور یونانی توپوں کے گولوں کی بارش میں بہادر ترکوں نے یونانیوں پر حملہ کر کے ان کی افواج کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ہزیمت خوردہ اور خوف زدہ یونانی اپنا سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ساحل سمندر تک پہنچ کر دم لیا۔

قسطنطنیہ اور درہ دانیال پر قابض اتحادی فوجوں کو اب سخت پریشانی اور خطرہ کا سامنا تھا۔ غازی مصطفےٰ کمال نے انھیں الٹیمیٹم دیا کہ وہ ترکی کو خالی کر دیں

ورنہ اس کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اتحادیوں نے اسی میں عافیت خیال کی اور اپنے جنگی جہازوں پر اپنا بوریہ بستر لے کر روانہ ہو گئے۔ اپنے پٹھو سلطان وحیدالدین کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

غازی مصطفےٰ کمال نے ترکی کو ایک جمہوریہ بنانے کا اعلان کیا۔ وہ اس کے پہلے صدر ہوئے اور انھوں نے بہت انقلابی اصلاحات کر کے اسے ایک مستحکم اور مضبوط مملکت بنا دیا۔

آخر کار اس عظیم فاتح کا جو جنگ اور امن دونوں زمانوں میں عظیم ثابت ہوا، نومبر ۱۹۳۸ء میں انتقال ہو گیا۔ ترک قوم اسے اتاترک (ترکوں کا باپ) کے نام سے یاد کرتی ہے۔ جدید ترکی اس کی ایک لازوال یادگار ہے۔

ملک عبدالعزیز ابن سعُود

مملکت سعودی عرب کے معمار ملک عبدالعزیز جو تاریخ میں ابن سعود کے نام سے مشہور ہیں۔ بیسویں صدی کے عظیم حکمرانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی ذاتی جدوجہد۔ مثالی بہادری۔ جنگی اور سیاسی صلاحیتوں سے سعودی عرب کی عظیم الشان سلطنت قائم کی اور اسے استحکام بخشا۔

ملک عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن ابن فیصل السعود جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں سعودی عرب کی سلطنت قائم کی ۱۸۸۰ء میں مملکت نجد کے صدر مقام ریاض میں پیدا ہوئے۔ سعودی عرب کے پر انتشار ملک میں کبھی کبھی قبیلوں کے سرداروں نے عالمی سیاست کو متاثر کیا ہے۔ انھیں سرداروں میں نمایاں حیثیت کے مالک ملک عبدالعزیز ابن سعود تھے۔ جن کا شمار اپنے عہد کی عظیم ترین شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ ایک ایسی عہد آفرین شخصیت جس نے عالمی تاریخ کے صفحات پر اپنے انمٹ کارناموں کی چھاپ چھوڑی ہے۔

اسلام کے برگزیدہ پیغمبر اور ان کے چار برگزیدہ صحابہ کے مبارک عہد کے بعد جو عالمی تاریخ میں خلافت راشدہ کے نام سے مشہور ہے عرب کا جزیرہ نما کبھی کسی شخصیت کے زیر اثر اس طرح متحد نہیں ہوا تھا جیسا ملک عبدالعزیز کی حکومت میں متحد ہوا۔ انھوں نے عرب قبائل کو متحد کرنے اور ان کو ایک طاقت بنانے کا کام سرانجام دیا۔ وہ ایک جہاندیدہ، بہادر اور بیدار مغز حکمراں تھے جنھوں نے اپنی انتھک کوششوں اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ جزیرہ نمائے عرب کو انتشار اور نفاق سے نجات دلا کر اسے متحد اور مستحکم مملکت کی صورت دی۔ اس طرح انھوں نے اقوام عالم میں اپنے ملک کے لئے ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔

ان کے والد عبدالرحمٰن نجد کے سلطان تھے۔ لیکن ان کی سلطنت مسلسل انتشار اور منافقات کی آماجگاہ رہی۔ ان کے جدامجد سعود اعظم جن کا انتقال ۱۸۱۴ء میں ہوا، بڑے اولوالعزم حکمراں تھے جنھوں نے اپنی طوفانی فوجوں سے جزیرہ نما عرب کو ایک سیرے سے دوسرے سرے تک روند ڈالا۔ اور شیخ عبدالوہاب کی وحدانیت سے متعلق تعلیم سے جس کے وہ خود مقلد تھے، عربی قبائل کو روشناس کرایا۔ لیکن سعود اعظم کی حکومت زیادہ مستحکم ثابت نہیں ہوئی۔ اور اسے بڑے مدوجزر کا سامنا کرنا پڑا۔ سعودی حکومت کا حقیقی استحکام ان کے پڑپوتے ملک عبدالعزیز کے عہد حکومت میں ہوا جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں سعودی عرب کی سلطنت قائم کی۔

عبدالعزیز بچپن ہی سے بہت ہونہار معلوم ہوتے تھے۔ ہندی کی مثل ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ان کے باپ نے ابتدا میں انھیں مذہبی تعلیم

اور سپاہیانہ تربیت دی۔ کم عمری ہی میں انھوں نے رائفل چلانا اور ریگستان کو تیز رفتاری سے پار کرنا سیکھ لیا تھا۔ بڑے ہو کر وہ بڑے دیو قامت انسان ہوئے۔ وہ بہت ذہین اور حاضر جواب تھے۔ ساتھ ساتھ وہ بڑے کشادہ دل اور زبردست قوت حافظہ رکھتے تھے۔ وہ بڑے مذہبی انسان تھے۔

انھوں نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جلوی کے ساتھ مرآمی ریگستان میں سختیاں جھیلنے اور ریگستانی جنگ کی مہارت حاصل کی۔ یہاں انھوں نے تیز رفتار اور اچانک حملوں اور دور دراز ریگستانوں کو سرعت کے ساتھ عبور کرنے کی بھی تربیت حاصل کی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انھوں نے وہ تربیت حاصل کی جو آگے چل کر ان کے طوفانی حملوں میں ظہور پذیر ہوئی۔

بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں نوجوان عبدالعزیز نے اپنے دو سو نوجوان ساتھیوں کے ذریعہ اپنی آبائی سلطنت کو دوبارہ فتح کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اور ۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء کو پندرہ جانبازوں کے ساتھ انھوں نے اچانک حملہ کر کے ریاض پر قبضہ کر لیا۔ عبدالعزیز کا یہ حملہ عالمی تاریخ حرب میں ایک نمایاں مقام کا حامل ہے۔ اس خطرناک مہم پر روانہ ہوتے وقت انھوں نے اپنے والد سے کہا! "آپ مجھے یا تو فتح یاب دیکھیں گے یا پھر کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔" لیکن آخر کار ان کے والد نے اپنے بہادر بیٹے کو فتحیاب دیکھا جن کا یہ دلیرانہ حملہ عالمی تاریخ میں ایک انتہائی دلیرانہ مہم کے طور پر ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اور اسی حملے سے سعودی عرب کی حکومت کی ابتدا ہوتی ہے۔ جو ۱۹۳۲ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ بعد ازاں بیس سال کے اندر ملک عبدالعزیز نے راشدیوں سے نجد اور علاقے کے

دوسرے شہر فتح کر لئے۔

ملک عبدالعزیز کو تین اہم مسائل کا سامنا تھا۔ اول ہمسایہ عرب مملکتوں کی مخالفتیں، دوئم خلافت عثمانیہ کی مخالفت جسے راشدیوں اور مکہ کے شریف حسین کی حمایت حاصل تھی۔ سوئم برطانوی حکمت عملی جو بحیرۂ فارس میں کسی سیاسی تبدیلی کے حق میں نہیں تھی۔ ملک عبدالعزیز نے ان تینوں مسائل کو بحسن وخوبی حل کیا۔

انھوں نے سب سے پہلے اپنے خاندان اور وہابیوں کے ورثاء اور مقلدوں کے درمیان تعلقات استوار کرنے کی جانب توجہ کی۔ انھوں نے "اخوان" نامی ایک نیم فوجی مذہبی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اخوان کو فوجی تربیت اور اسلحہ فراہم کر کے انھوں نے اپنی سلطنت کی توسیع میں ان سے بہت مفید کام لیا۔ اور ۱۹۱۳ء میں اخوان نے ایک سخت مقابلہ کے بعد ترکوں کو الحاسہ سے نکال باہر کیا، اور اس طرح ان کی بحیرۂ فارس تک رسائی ہوگئی۔

ملک عبدالعزیز نے ۲۲-۱۹۲۱ء میں حائل اور راشدیوں کے تمام مقبوضات اور علاقہ جات پر قبضہ کر کے سلطان نجد کا لقب اختیار کیا۔

اس درمیان میں شریف مکہ سے سلطان عبدالعزیز کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ جنگ عظیم اول کے دوران مکہ کے شریف حسین حجاز کے سلطان بن بیٹھے اور انھوں نے ۱۹۲۴ء میں خلیفۃ المسلمین ہونے کا اعلان کر دیا۔ شریف مکہ کا یہ اقدام جو دنیائے اسلام میں انگریزوں کے پٹھو سمجھے جاتے تھے مسلمانان عالم کو بہت ناگوار معلوم ہوا۔ ملک عبدالعزیز کو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ حجاز اور مسلمانوں کے مقدس ترین شہروں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو

انگریزوں کے پٹھو شریف حسین سے نجات دلائیں۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۲۵ء میں جدہ پر قبضہ کر لیا اور شریف حسین کو مجبوراً تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ ان کے بیٹے علی نے بھی ۸ر جنوری ۱۹۲۶ء کو ہتھیار ڈال دیے۔

ملک عبدالعزیز اب حجاز کے حکمراں تھے جب تک مقدس شہروں کے باشندوں نے انھیں اپنا حکمراں تسلیم نہیں کر لیا عبدالعزیز نے بحیثیت متولی کے ان پر حکومت کی۔ مکہ معظمہ کی متبرک ترین مسجد میں انھیں حجاز کا حکمراں بنانے کا اعلان کیا گیا۔ آخرکار ستمبر ۱۹۳۲ء میں نجد اور حجاز کی مملکتوں کو ملا کر مملکت سعودی عرب بنانے کا اعلان کر دیا گیا۔

ملک عبدالعزیز نے ۱۹۳۰ء میں ایک اور صوبہ کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ جب انھوں نے شمالی بحیرۂ احمر کے علاقے اسیر کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

حکومت یمن سعودی عرب کے خلاف اپنی جارحانہ حکمت عملی پر عمل پیرا تھی۔ اس کے نتیجہ میں ۱۹۳۴ء میں سعودی عرب اور یمن کی فوجوں میں سات ہفتے کی خونریز جنگ ہوئی جس میں شاہ عبدالعزیز کے بیٹے سعود اور فیصل نے یمن کے خلاف شاندار فتوحات حاصل کیں۔

اس طرح ملک عبدالعزیز نے اپنی زندگی میں سعودی عرب کی شاندار مملکت کی بنیاد ڈالی اور اس کو استحکام بخشا۔ ان کی وسیع سلطنت چار صوبوں پر مشتمل تھی۔

(۱) حجاز (۲) نجد (۳) ہاسہ (۴) اسیر۔ عرب کے جھگڑالو قبائل

کو ایک جھنڈے کے تحت جمع کر کے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنا اور اس طرح اسے اقوام متحدہ کا ایک معزز رکن بنانا کوئی آسان کام نہ تھا جو ملک عبدالعزیز ابن سعود نے اپنی زندگی میں سرانجام دیا۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے مملکت سعودی عرب سے اپنے تعلقات استوار کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

ملک عبدالعزیز نے اپنی وسیع مملکت کی تعمیر اور ترقی میں نمایاں حصہ لیا اور اس کے باشندوں کی فلاح و بہبود۔ تعلیم اور تربیت کے درجنوں ادارے قائم کئے۔ ۱۹۵۳ء میں آخر کار یہ عظیم حکمراں اور ماہر جنگ اپنے معبود حقیقی سے جا ملا۔ سعودی عرب کو ایک عظیم مملکت بنانے کا کام اس کے زندہ یادو اور عظیم فرزند ملک فیصل مرحوم نے سرانجام دیا جو اپنے بڑے بھائی سعود کے بعد ۱۹۶۴ء میں تخت نشین ہوئے۔

غازی انور بے

خلافت عثمانیہ جس نے صدیوں تک یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصے پر حکومت کی تھی اور جو یورپ کی بتیس عیسائی سلطنتوں میں تنہا اسلامی مملکت تھی، عالمی تاریخ کی عظیم ترین عسکری طاقت تسلیم کی جاتی ہے بیسویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں یہ زوال پذیری کی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ یورپ کا یہ مرد بیمار اپنی آخری سانس لے رہا تھا۔ جنگ بلقان کے دوران یورپ کی عیسائی سلطنتوں نے اسے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا اور کسی زمانے میں اس کی باجگزار عیسائی ریاستوں یونان۔ مانٹی نیگرو۔ سرویا۔ بلغاریہ کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ ادھر افریقہ میں اٹلی نے عثمانی علاقہ طرابلس پر حملہ کر دیا تھا۔ خلافت عثمانیہ کا ازلی دشمن روس بھی ان بغاوتوں کی پشت پناہی کر کے آبنائے باسفورس اور درہ دانیال پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ برطانیہ اور فرانس بھی درپردہ باغیوں کی امداد کر کے خلافت عثمانیہ کے اثاثوں کی لوٹ میں حصہ بٹانے کا انتظار

کر رہے تھے۔

جنگ بلقان میں حملہ آور عیسائی طاقتوں نے یورپ میں خلافتِ عثمانیہ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا۔ بلغاریہ نے ادرنہ (ایڈریانوپل) کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہاں پر محصور ترکوں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا اور ان کی زندگی کے دن شمار کیے جا رہے تھے۔ یورپ کی بڑی بڑی عیسائی حکومتوں نے خلافتِ عثمانیہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے یورپین علاقے سے دست بردار ہو جائے۔ ورنہ پھر اپنے بُرے انجام کے لئے تیار ہو جائے۔ آخر کار کامل پاشا کی کابینہ اس پر جھکنے پر آمادہ ہو گئی۔ ترکی پارلیمان میں ہتھیار ڈالنے (سرنڈر) کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا کہ ایک نوجوان اپنے ساتھیوں کو لے کر پارلیمنٹ میں گھس گیا۔ اس نے وزیر جنگ ناظم پاشا کو جو شکست کا ذمہ دار تھا گولی مار دی۔ یہ نوجوان انور بے تھا جس نے ترکی کو ایک ذلت آمیز شکست سے بچا لیا۔ وہ ترکی کے نوجوانوں کے آنکھ کا تارہ بن چکا تھا۔ وزیر اعظم ناظم پاشا نے استعفیٰ دے دیا اور خلیفہ محمد خامس نے انور بے کو وزیر جنگ بنا دیا۔

انور بے نے وزیر جنگ بنتے ہی ادرنہ کو دشمن سے بچانے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس نے مصطفےٰ کمال کو اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے آپریشن ڈائرکٹر مقرر کیا لیکن مصطفےٰ کمال اور انور بے کی رقابت نے اس منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیا اور بلغاریے نے ادرنہ پر قبضہ کر کے محصور ترکوں پر وہ مظالم ڈھائے جس نے چنگیز اور ہلاکو کے مظالم کی یاد تازہ کر دی۔ نہتے اور بیمار

ترکوں یہاں تک کہ ان میں بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو بھی تہ تیغ کردیا گیا۔

ساری اسلامی دنیا بلغاریوں کے ان مظالم پر غم وغصہ سے چیخ اٹھی، آخرکار انور بے نے ادرنہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ایک تاریخی یلغار کی۔ اس کی سرکردگی میں ترک فوج بلغاری افواج کا صفایا کرتی ہوئی ۲۱ جولائی ۱۹۱۳ء کو ادرنہ میں داخل ہوئیں۔ سارے عالم اسلام میں انور بے کی اس غیر معمولی کامیابی پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

خلافت عثمانیہ کی پرآشوب تاریخ میں ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۳ء تک کا زمانہ انتہائی نازک گزرا ہے۔ یوں تو اس عظیم قوم کی پانچ سوسالہ تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسے بیس سال گزرے ہوں گے جب اسے کوئی نہ کوئی بڑی جنگ نہ لڑنی پڑی ہو۔ وہ یورپ کی بتیس عیسائی ریاستوں میں بتیس دانتوں میں زبان کی حیثیت رکھتی تھی جسے عیسائی ممالک ہڑپ کر جانے کی برابر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ لیکن بیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کے بارہ سال کا عرصہ ایسا تھا جس میں اسے چار بڑی جنگوں سے نبٹنا پڑا۔ ۱۹۱۱ء میں اطالوی حکومت نے ترکی کے زیر حکومت علاقے طرابلس پر حملہ کردیا۔ ۱۹۱۲ء میں ترکوں کے خلاف جنگ بلقان میں یونان۔ مانٹی نیگرو۔ سرویا۔ اور بلغاریہ نے عثمانی سلطنت کے یورپین علاقے پر بغیر کسی سبب کے حملہ کردیا۔ روس نے اس کی پشت پناہی کی۔ برطانیہ اور فرانس نے اس کی در پردہ امداد کی۔ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم اول میں جرمنی کے حلیف ہونے کی وجہ سے ترکی کو اتحادیوں کے خلاف تقریباً چار سال تک جنگ کرنی

پڑی جس میں برطانوی جاسوس کرنل لارنس کی ریشہ دوانیوں کے تحت عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر کے عراق۔ شام۔ سعودی عرب۔ یمن اور فلسطین کو ترکی سلطنت سے آزاد کرا لیا گیا۔

جرمنی کی شکست کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے اور ۱۹۲۳ء میں یونانیوں کو جنگی سازوسامان سے مسلح کر کے ایشیائے کوچک پر اس سے حملہ کرا کر ترکی سلطنت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن مصطفٰے کمال کی قیادت میں سکاریہ کے مقام پر یونانیوں کی تاریخی شکست نے اتحادیوں کے اس منصوبہ کو خاک میں ملا دیا، اور انھیں اپنا بوریہ بستر سنبھال کر قسطنطنیہ (استنبول) سے باحسرت و یاس نکلنا پڑا۔ اس طرح مشرقی رومن ایمپائر کے قدیم پایۂ تخت قسطنطنیہ کو دوبارہ عیسائی تسلط میں لانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

انور بے استنبول میں ۲۲ر نومبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے ان کے باپ احمد ایک معمولی سرکاری ملازم تھے۔ انور بے نے ۱۹۰۲ء میں استنبول کی ملٹری اکاڈمی سے اعزاز کے ساتھ گریجویشن کیا اور مقدونیہ میں متعین تھرڈ آرمی میں ان کا تقرر ہو گیا۔ انھوں نے ترقی کے منازل بہت سرعت سے طے کئے اور ۱۹۰۶ء میں میجر بنا دیے گئے۔ اسی زمانے میں نوجوان ترکوں کی خفیہ تنظیم "اتحاد اور ترقی" عالم وجود میں آئی۔ میجر انور بے اس کے سرگرم کارکن بن گئے۔ ان کی انقلابی شخصیت نے اس تنظیم کو بہت جلد کامیابی سے ہمکنار کر دیا، اور ۱۹۰۸ء میں ترکی میں جب انقلاب آیا تو انور بے انقلاب اور آزادی کے ہیرو بن کر ابھرے۔ نئی انقلابی حکومت نے انھیں فوجی اتاچی بنا کر برلن بھیج دیا۔ اس وقت انکی عمر صرف ۲۶ سال تھی۔

اٹلی نے ستمبر ۱۹۱۱ء میں ترکی کے افریقی صوبے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ انور بے نے فی الفور اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ اور افریقہ کے اس آخری عثمانی صوبے کو اطالوی سامراجیوں سے بچانے کے لئے طرابلس پہنچا۔ اطالوی حکومت نے ہر قسم کے آلاتِ حرب سے لیس ڈیڑھ لاکھ فوج، ۱۳۰۰ توپوں سمیت طرابلس میں اتار دی۔ اس کے برخلاف طرابلس میں صرف تین ہزار ترک فوجی رہ گئے تھے ان کے پاس کوئی دو مار توپ تھی۔ ان کا پچاس گنی بڑی فوج سے مقابلہ تھا۔ اٹلی نے ساحل کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اس لئے سمندر کے راستے کوئی کمک نہیں پہنچائی جا سکتی تھی۔ مصر میں برطانوی اقتدار خشکی کے راستے کوئی کمک پہنچانے کی راہ میں حائل تھا۔ رضا کار عرب بدوؤں اور شیوخ کا بھیس بدل کر مصر کے راستے طرابلس میں داخل ہوتے ہی انور بے بھی ایک عرب شیخ کے بھیس میں طرابلس پہنچے۔ ان کی آمد نے مسلمانوں کو نیا جذبہ اور نئی زندگی بخشی۔ انھوں نے جدید طرز پر مقامیوں اور رضا کاروں کو فوجی تربیت دی۔ اس منظم فوج نے انور بے کی بے مثال قیادت میں اطالویوں کے دانت کھٹے کر دئے، اور اکثر مقابلوں میں انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اطالوی فوج ساحلی علاقے میں محصور ہو کر رہ گئی اور اندرونِ ملک ان کی پیش قدمی مکمل طور پر روک دی گئی۔ اطالوی حکومت جو یہ سمجھتی تھی کہ طرابلس پر قبضہ چند دنوں کی بات تھی۔ ایک سال سے زاید عرصے میں تقریباً چار ہزار فوجیوں سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ اور اس کے دوگنے اطالوی فوجی زخمی ہوئے تھے۔ اس کے فوجی اخراجات کا تخمینہ پانچ کروڑ لیرا تھا۔

یورپین پریس میں اطالوی فوج کی تباہ کاریوں اور ان کی ہزیمتوں کی خبریں بڑے جلی حروف میں شائع ہو رہی تھیں۔ ادھر عالم اسلام میں انور بے

ایک عظیم مجاہد کی حیثیت سے ابھرا جسکی بہادری اور جانبازی کی داستانیں ایک مدت تک بچے بچے کی زبان پر تھیں جس کا نام سنتے ہی مسلمانوں کے سامنے ایک عظیم ہیرو کا تصور ابھر آتا تھا جس میں بجلی کی سی تیزی اور شیر کی سی جرأت تھی جو قرونِ اولیٰ کے غازیوں اور مجاہدین کا نمونہ بنکر افق عالم پر نمودار ہوا تھا اور اپنے بعد مسلمانوں کی تاریخ مزاحمت میں جدوجہد اور سرفروشی کے انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ وہ حقیقی معنوں میں گزشتہ دو تین صدیوں میں عالم اسلام کا عظیم ترین مجاہد تھا۔

طرابلس جب اطالوی فوجوں کا قبرستان بن رہا تھا۔ ٹھیک اسی زمانے میں بلقان کی عیسائی ریاستوں نے روس کی شہ پر ۱۹۱۲ء میں ترکی کے یورپین علاقے پر حملہ کر دیا۔ روس یورپ سے ترکی کو ختم کر کے آبنائے باسفورس اور درہ دانیال پر اپنا تسلط قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ بلقان کی عیسائی ریاستوں یونان۔ مانٹی نیگرو۔ سربیا۔ اور بلغاریہ جو صدیوں تک خلافت عثمانیہ کے زیر اقتدار رہ چکی تھیں۔ اب روس۔ برطانیہ اور فرانس کی امداد سے حکومت ترکی کے یورپین علاقوں پر سیاسی اقتدار جمانے کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ انھیں ابتدائی فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور حکومت ترکی کو یورپ میں اپنے متعدد شہروں سے دست بردار ہونا پڑا۔

جنگ بلقان کے چھڑ جانے کے بعد غازی انور بے کو طرابلس کا محاذ چھوڑ کر سرعت کے ساتھ استنبول پہنچنا پڑا۔ اس نے کابینہ کے اجلاس میں ترکی افواج کی شکستوں کے ذمہ دار وزیر جنگ ناظم پاشا کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ وزیر اعظم کامل پاشا نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ ترکی سلطان محمد خامس نے انور بے کو وزیر جنگ اور ان کے مشورے سے محمود شوکت کو وزیر اعظم مقرر کیا۔

انور بے نوجوان ترکوں کے آنکھ کا تارا بن چکا تھا۔ اس نے ۲۱ جولائی ۱۹۱۳ء کو بلغاریوں کو شکست فاش دے کر ادرنہ کو ان سے واپس لے لیا۔ سارا عالم اسلام انور بے کی اس بےمثال کامیابی پر خوشی اور مسرت سے چیخ اٹھا۔ سلطان خامس نے انور بے کی شادی اپنی بھتیجی امینہ ناجیہ سے کر دی۔

جنگ عظیم اول میں ترکی کو جرمنی کا حلیف بننا پڑا۔ دراصل بہادر ترکوں کو روس۔ برطانیہ اور فرانس پر اعتبار نہ تھا۔ ماضی میں اس کی ساری مشکلات کی ذمہ دار یہی حکومتیں تھیں۔ روس باسفورس اور درہ دانیال پر قبضہ کرنے کا خواب عرصہ سے دیکھ رہا تھا۔ برطانیہ اور فرانس بھی خلافت عثمانیہ کے افریقی اور ایشیائی علاقوں کو ہتھیانے کی سازشیں تیار کرتے رہتے تھے۔ برطانیہ نے تو مصر پر اپنا تسلط جما لیا تھا جو کچھ عرصے قبل سلطنت عثمانیہ میں شامل تھا۔ ان مخالف طاقتوں سے نبٹنے کے لئے ترکی کو جرمنی سے خفیہ معاہدہ کرنا پڑا، اور جنگ عظیم اول میں جرمنی کا حلیف بننا پڑا۔

جنگ عظیم اول میں مصطفےٰ کمال پاشا نے گیلی پولی کے مقام پر انگریزوں کو ان کی تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار کیا۔ لیکن برطانوی جاسوس کرنل لارنس کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اور اس طرح عراق۔ شام۔ فلسطین اور سعودی عرب ترکی سلطنت سے آزاد ہو کر برطانوی تسلط میں آ گئے۔ بعد ازاں برطانیہ نے عرب ممالک کے قلب میں یہودیوں کی سلطنت اسرائیل قائم کر کے عربوں کو ایسی ضرب کاری لگائی جس کا خمیازہ وہ آج تک بھگت رہے ہیں، اور معلوم نہیں کب تک بھگتیں گے۔

جنگ عظیم اول میں جرمنی اور ان کے حلیفوں کو شکست ہوئی۔ قسطنطنیہ (استنبول) پر اتحادیوں کا قبضہ ہوگیا۔ انور پاشا اور ان کے ساتھیوں کو مستعفی ہو کر فرار ہونا پڑا۔ نئی وزارت نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انور پاشا برلن پہنچے، اور وہاں سے بالشویک لیڈر راڈک کی دعوت پر ماسکو پہنچے۔ جہاں انھوں نے لینن سے ملاقات کی۔ لینن دنیائے اسلام میں انور پاشا کی مقبولیت سے خوب واقف تھا۔ انور پاشا کو ترکستانی مسلمانوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ انور پاشا بخارا پہنچے۔ یہاں انھوں نے ترکستانی مسلمانوں کے حالِ زار کو اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا۔ جو انتہائی بے بسی بے چارگی اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کے دین ان کی تہذیب اور ان کی وحدت کا گلا گھونٹا جا رہا ہے! انور پاشا نے انھیں اس زندگی سے نجات دلانے کا فیصلہ کیا۔ ایک دن وہ شکار کے بہانے پہاڑوں میں پہنچ گئے جہاں سے ترکستانی مسلمان مدافعانہ جنگ کر رہے تھے۔ انور پاشا کا وہاں پر جوش استقبال کیا گیا۔ انھیں ایک ایسے لیڈر کی ضرورت تھی جو انھیں مدافعانہ جنگ کے لئے متحد کر سکے۔ انور پاشا نے ان کا متحدہ محاذ قائم کیا اور انھیں جدید گوریلا جنگ کی تربیت دی۔ اس طرح انھیں ناقابلِ تسخیر بنا دیا۔

روسیوں نے انور پاشا کو ملانے کے لئے ہر قسم کی ترغیب دی۔ لیکن یہ عظیم مجاہد ایسے ہتھکنڈوں سے کہاں رام ہو سکتا تھا۔ بعد ازاں انھوں نے ترکستانی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ انھیں مذہبی آزادی اور سیاسی مراعات دے کر اپنی جانب ملانا چاہا۔ روسی خفیہ پولیس نے انور پاشا کے خلاف

پروپگنڈا شروع کیا کہ وہ روسی ترکستان کو خلافت عثمانیہ میں شامل کرکے حکمراں بننا چاہتے ہیں۔ روسی سازشوں نے آخر کار ترکستانی مسلمانوں میں افتراق اور انتشار کو جنم دیا۔ انور پاشا ان مار آستینوں کے جال میں پھنس کر رہ گئے۔ رفتہ رفتہ روسی فوجوں کا دباؤ بڑھتا گیا اور ترکستانی مسلمانوں کے علاقوں پر دوبارہ روسی تسلط قائم ہوگیا۔ مجبوراً انور پاشا کو اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ افغانستان کی جانب ہٹنا پڑا۔

آخر کار فیصلہ کن مرحلہ آ پہنچا۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۲ء کی رات تھی۔ انور اور اس کے ۲۴ ساتھی پھولوں کی وادی زرقائی میں خیمہ زن تھے۔ روسی فوجوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا، ان کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ انور پاشا جانتے تھے کہ انجام قریب آ پہنچا ہے۔ رات کا پچھلا پہر تھا، انور پاشا حسب معمول رکوع وسجود میں مشغول رہے۔ پھر وہ اپنے خیمے سے نکلے۔ آسمان پر نظر دوڑائی نویں ذی الحجہ رات کا چاند ڈوب چکا تھا۔ اچانک انھیں خیال آیا۔ پرسوں عید قربان ہے۔ ناجیہ سلطان (ان کی اہلیہ) کو ان کا انتظار ہوگا، انور بے نے چراغ روشن کرکے اپنی جان سے پیاری اہلیہ کو خط لکھا:

"راحت جان ناجیہ سلطان۔ تمہارا خط ملا۔ کئی دن گزر چکے سوچا جواب لکھ دوں۔ اگرچہ تمہارا حسین چہرہ نہیں دیکھ سکتا، تاہم تمہاری نرم اور نازک انگلیوں کا تصور کر سکتا ہوں، جو خط لکھتے وقت حروف اور سطروں کے ساتھ دوڑتی رہی ہوں گی ...... تم پر تلوار سے جہاد فرض نہیں۔ تاہم اس

فرض سے مستثنیٰ بھی نہیں۔ کوئی مسلمان مرد اور عورت جہاد سے مستثنیٰ نہیں۔ تمہارا جہاد یہ ہے کہ اپنے نفس اور محبت پر خدا کو مقدم رکھو۔ اپنے شوہر کے ساتھ حقیقی محبت کے رشتے کو اور بھی مضبوط کرو۔ دیکھو یہ دعا ہرگز نہ مانگنا کہ تمہارا شوہر میدانِ جہاد سے زندہ واپس آجائے۔ یہ خود غرضی کی دعا ہوگی اور خدا کو پسند نہ آئے گی۔ ہاں دعا کرو تو یہ دعا کہ اللہ تمہارے شوہر کا جہاد قبول فرمائے۔ اسے کامیاب اور کامران واپس لائے ورنہ جام شہادت اس کے لبوں سے لگائے۔ وہ لب جو تم جانتی ہو شراب سے کبھی ناپاک نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ تلاوت اور ذکرِالٰہی سے معطر رہے۔

پیاری ناجیہ۔ وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ کی راہ میں یہ سر جسے تم دنیا کا خوب صورت ترین سر کہا کرتی تھیں تن سے جدا ہوگا، وہ تن جو تمہاری نگاہ محبت میں کسی فوجی کا نہیں حسن کے دیوتا کا سا ہے۔

جانِ من! تم خوب جانتی ہو کہ اللہ کی خوشنودی اور رضا کا مجھے کس قدر شوق ہے۔ انور کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ شہید ہو جائے اور حضرت خالد بن ولید کے ساتھ اس کا حشر ہو، دنیا چندروزہ موت یقینی ہے۔ پھر اس سے کیا ڈرنا جب موت آنے ہی والی ہے تو آدمی بستر پر کیوں مرے شہادت

کی موت، موت نہیں زندگی اور لازوال زندگی ہے۔
میری یہ وصیت ہے کہ تم اپنے سب بچوں کو میری زندگی کے حالات سنانا، جب بڑے ہو جائیں تو انھیں میدانِ جہاد میں اسلام اور وطن کی خدمت کے لئے بھیج دینا۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو جنت میں میں تم سے روٹھ جاؤں گا۔
اچھا ناجیہ میری جان۔ خدا حافظ۔ نہ جانے کیوں میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ میں شہید ہو جاؤں تو صبر کرنا۔ رونا دھونا نہیں۔ بلکہ میری سعادت اور خوش بختی پر فخر کرنا۔"
انور پاشا نے خط ختم کیا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ دوسری صبح کو یہ خط انھوں نے ہرکارے سے بھجوا دیا۔
دوسرے دن شام کو اپنے وفادار رفیق دولت، بیگ کو بلا بھیجا اور طوفانی یلغار کر کے روسی افواج کے محاصرہ کا توڑنے کا منصوبہ بنایا وہ رات انور پاشا نے جاگ کر گزاری۔ رات بھر رکوع اور سجود۔ تلاوت اور ذکرالٰہی میں مشغول رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اپنی شہادت کا الہام ہو گیا ہے۔
صبح کو بقرعید تھی، مجاہدین کیمپ کے سامنے کھلے میدان میں دوگانہ ادا کرنے کے لئے جمع تھے کہ یکا یک روسی افواج نے یلغار کر دی۔ دست بدست جنگ ہونے لگی۔ انور پاشا اور ان کے ساتھیوں نے بہادری اور دلیری کے وہ جوہر دکھلائے کہ روسی کمانڈر کے دانت کھٹے ہو گئے۔ مجاہدین

نے اپنے سے بہت بڑی فوج کے مقابلہ میں دشمنوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ گھمسان کی لڑائی جاری تھی۔ مجاہدین میں شامل روسی ایجنٹ آقا بیگوف آگے بڑھا، انور بے نے اسے اپنا آدمی سمجھ کر کوئی توجہ نہیں کی اور وہ ایک روسی پر جھپٹے۔ اسی وقت اس ایجنٹ نے عقب سے انور بے پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ انور بے کی گردن تن سے جدا ہو کر دور جا پڑی۔

روسیوں نے انور پاشا کی لاش کا معائنہ کیا تو کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹی سی حمائل شریفہ نکلی جسے وہ ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رہتے تھے۔

مہدی سوڈانی

زمانۂ وسطیٰ اور حال کے بیشتر مغربی مورخین اور مصنفین نے زمانہ وسطیٰ میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور مغربی علم و فنون کی ترقی کا سہرا اپنے سر باندھ لیا ہے۔ گویا یورپ کی جاہل اقوام کو کسی سے سیکھنے یا کسی کے سامنے زانوئے تلمیذ تہہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑی، بلکہ وہ مادر زاد عالم اور فاضل، سائنسداں اور فلسفی ریاضی داں اور فنکار پیدا ہوئے تھے۔ یورپ میں سائنسی علوم کی ترویج اور ترقی کا سہرا روجر بیکن کے سر باندھا گیا۔ نئی دنیا کی دریافت کا تاج کولمبس کے سر پر رکھا گیا۔ اور دورانِ خون کی دریافت ہاروے سے منسوب کر دی گئی، لیکن بُرا ہو جدید تحقیق کا جس نے مغربی جھوٹ اور فریب کا پردہ چاک کر کے حقیقت کو آفتاب کی طرح عیاں کر دیا چند مغربی مصنفین کو بھی طوعاً و کرہاً تسلیم کرنا پڑا کہ روجر بیکن نے سب کچھ اسپین کے مسلم سائنسدانوں سے سیکھا تھا۔ عربوں نے کولمبس سے پانچسو سال قبل نئی دنیا کو دریافت کر لیا تھا اور وہاں ان کی نوآبادیاں قائم ہو گئی تھیں۔ اور ابن نفیس نے

ہاروے سے تین سو سال قبل دورانِ خون کو دریافت کر لیا تھا۔

دوسروں پر الزام لگانے کے فن میں بھی مغربی اور خصوصاً برطانوی مورخین استاد ہیں۔ وہی مثل ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر محسوس نہیں ہوتا اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے۔ اسکندریہ کے مشہور و معروف کتب خانے کو جولیس سیزر نے ۶۵ سال قبل مسیح تباہ کیا تھا۔ لیکن برطانوی مورخین نے اس کا الزام عرب فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص پر لگایا جو کتب خانہ کی تباہی کے سات سو سال بعد مصر میں داخل ہوئے۔ اس کے برخلاف شام میں طرابلس کے مشہور اسلامی کتب خانہ کو جس میں چھ لاکھ سے زائد کتابیں موجود تھیں صلیبیوں (عیسائیوں) نے جلا کر خاک کر دیا۔ مگر عیسائی اور برطانوی مورخین اس واقعہ کو ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ اسی طرح انگریز مورخ مسلمانوں پر برابر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلم فاتحین نے غیر مذاہب والوں کو جبراً مسلمان بنایا۔ ان کے گرجوں کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا لیکن کوئی مغربی تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ عیسائیوں نے صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کا جو قتل عام کیا اور اسپین میں مسلم قوم اور ان کے آثار تک مٹا دئے۔ اس کا اس میں کوئی ذکر بھی موجود ہے یا نہیں۔ عربوں نے جب اسپین کو فتح کیا تو عیسائیوں کے ساتھ انتہائی فیاضانہ سلوک کیا۔ لیکن عیسائیوں نے جب اسے دوبارہ فتح کیا تو ایک مسلمان بچہ بھی یہاں نہیں چھوڑا۔

اسی طرح راس امید کی جانب سے ہندوستان کا نیا راستہ دریافت کیا کا سہرا واسکوڈی گاما کے سر باندھا جاتا ہے۔ لیکن جدید تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ واسکوڈی گاما کی رہبری ابن ماجد نامی ایک عرب سیاح کر رہا تھا جو

اس راستہ سے بخوبی واقف تھا، اس راستے کی دریافت نے مغرب کے سیاحوں کے لئے نئے نئے ممالک اور خطے کھول دیئے۔ ہسپانوی اور پرتگیزی سیاحوں کو زیادہ تر تجارت، سیاحت اور بحری قزاقی سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے نئی دنیا کے نیم وحشی ممالک میں اپنی نوآبادیاں اور حکومتیں قائم کیں، لیکن انگریز جب سیاحت کے میدان میں آئے تو سیاحت سے زیادہ انھوں نے مختلف ممالک کی تجارت مذاہب اور سیاست میں دلچسپی لینی شروع کردی۔ تجارت کے بہانے انھوں نے لوٹ کھسوٹ کا وہ بازار گرم کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ مختلف مذاہب کے پیرؤں کو روپیہ پیسہ اور روزگار کا لالچ دے کر عیسائی بنانا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور عیسائی مشنریوں کے گھٹیا تبلیغی کاموں پر وہ کروڑوں روپیہ صرف کرتے تھے۔ اس تبلیغ کی کامیابی میں عیسائی مذہب کی خوبیوں سے زیادہ انگریزوں کا روپیہ اور جاہ و منزلت کا لالچ کام کرتا تھا۔ سیاحوں اور تاجروں کے بھیس میں انگریز مختلف ممالک میں داخل ہوئے اور عیار اور مکار لیڈروں کی طرح ان ممالک پر قابض ہو گئے۔ اور اس طرح اس نام نہاد برٹش ایمپائر کی بنیاد پڑی جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اور جس میں سیاسی ظلم و تشدد اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کا وہ بازار گرم کیا گیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

افریقہ کے تاریک براعظم میں دو انگریز مشنریوں لونگسٹن اور اسٹینلی کے کارنامے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے جنھوں نے جنوبی اور وسطی افریقہ کے دشوار گزار خطوں کا دورہ کر کے وہاں کے جاہل اور وحشی باشندوں کو بڑی تعداد

ہیں عیسائی بنایا۔ انگریز مشنریوں کی تبلیغ میں ان کے مکارانہ حسن سلوک اور بے انتہا دولت نے بہت کام کیا اور آج جنوبی اور وسطی افریقہ میں عیسائیوں کی اکثریت انھیں انگریز مشنریوں اور ان کے روپے کی مرہونِ منت ہے۔

لیکن شمالی اور مشرقی افریقہ میں جہاں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی انگریز مشنریوں کی ریشہ دوانیوں کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اسلامی افریقہ میں جہاں یہ گئے انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ اور ان کی تگ و دو زیادہ تر چھوٹے اور غریب طبقوں خصوصاً بھنگیوں، کنجڑوں اور مزدوروں تک محدود رہی اور انھیں غریب لوگوں کو اپنے سنہرے اور روپہلے سکّے دکھا کر وہ عیسائی بناتے رہے، اور ان کی غربت سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔ ان کی رشوت میں روپیہ پیسہ، لڑکی، لڑکے، جاہ و منزلت سبھی کی رشوت شامل ہوتی تھی جو جس مرتبہ کا ہوتا تھا اسی قسم کی رشوت اسے دی جاتی تھی۔

شمالی افریقہ کے عرب اور حبش ممالک میں جہاں مسلمان زیادہ آباد تھے جب انگریز مشنریوں کی دال نہیں گلی تو انگریزوں نے اپنے روایتی اوچھے ہتھیاروں سے کام لینا شروع کر دیا۔ سازش اور رشوت کے ذریعہ انھوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی شروع کی۔ اس فن میں تو ان کا جواب نہیں ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ ماہر بلکہ استاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ عیاری اور مکاری کا اگر کوئی نوبل انعام ہوتا تو ہر سال وہ کسی نہ کسی انگریز کو ملا کرتا، کوئی دوسرا تو اس معاملہ میں ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔

شمالی افریقہ میں انگریز کی سیاست کا سب سے پہلا شکار مصر اور پھر

سوڈان ہوا۔ مصر میں انھوں نے سب سے پہلے پنجے گاڑے اور یہ ان کی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بنا۔

انگریزوں کی نگاہیں مصر پر عرصہ دراز سے لگی ہوئی تھیں، صرف موقع کی تلاش تھی۔



محمد علی خدیو مصر کے جانشینوں نے جب نہر سوئز کھدوائی تو مصر اہم تجارتی ملک بن گیا۔ اعرابی پاشا نے وطنی جماعت کی تشکیل کی جس نے مصر میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی ریشہ دوانیوں اور بیجا دخل اندازی کے خلاف

مظاہرے کیۓ۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اپنے اپنے جنگی بیڑے مصر بھیج دیۓ اور وطنی جماعت سے ان کا مقابلہ ہوا۔ انگریزوں نے جہاز کی توپوں کے سائے میں اسکندریہ اور بعد ازاں قاہرہ پر قبضہ کر لیا، اور مصریوں پر وہ ظلم و تشدد کیا جس سے ہلاکو اور چنگیز کے کارنامے ماند پڑ جاتے ہیں۔ ہزاروں مصری نوجوانوں، عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔

اس واقعہ نے سوڈانیوں میں اضطراب کی ایک لہر پیدا کر دی وہ بھی انگریزوں کے مظالم کی داستانیں سن کر ان کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ سوڈان میں محمد احمد بن عبداللہ کی زیر قیادت جنھیں تاریخ میں مہدی سوڈانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک زبردست اسلامی تحریک نشو و نما پا رہی تھی، جس کا مقصد اسلامی اقدار کو از سر نو زندہ کرنا تھا اور اسلام کے جمود کو دور کر کے اس کو دنیا میں ایک زندہ اور متحرک مذہب کی شکل دینا تھا۔ دشمنانِ اسلام اور خصوصاً انگریزوں کو ان کے عزائم سے خدشہ ہوا کہ اس سے تو لونگ سٹن اور اسٹینلی اور ان کے ساتھی مشنریوں کا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا اور کروڑوں روپے اور ہزاروں لڑکیوں کی رشوت سے جن لوگوں کو بہ مشکل عیسائی بنایا گیا ہے وہ سب کے سب ہاتھ سے نکل جائینگے اس لئے انھوں نے مصر کو جس پر وہ تسلط پا چکے تھے، اس نیک کام میں شریک کیا اور مہدی سوڈانی کی احیاء اسلام کی تحریک کو کچلنے کی سازش میں ایک مسلمان حکمراں کو بھی شامل کر لیا۔ اس طرح پھوٹ ڈالو اور اپنا مقصد حاصل کرو، کے روائتی حربہ کو جو انھوں نے اس کے ما قبل اور ما بعد اپنے تمام ممالک محروسہ پر استعمال کیا تھا، یہاں بھی استعمال کیا۔

محمد احمد مہدی سوڈانی غیر معمولی صلاحیتوں کے انسان تھے۔ وہ ۱۸۴۴ء میں درار کے جزیرے میں پیدا ہوئے۔ وہ سید تھے اور ان کے والد نجاری کا کام کرتے تھے۔ محمد احمد پر تصوف کا غلبہ بچپن ہی سے تھا اور ۱۸۶۱ء میں وہ سلسلہ سامانیہ میں داخل ہو کر انھوں نے اپنے پیر شیخ شریف کی سات سال کی خدمت کی، جنھوں نے انھیں خلافت عطا کی۔ محمد احمد نے خرطوم میں کچھ دنوں تک قیام کر کے دریائے نیل سفید کے ایک جزیرے آبا میں رہائش اختیار کی۔ یہاں انھوں نے ایک مسجد اور حجرہ تعمیر کیا۔ جہاں ہزاروں شاگرد ان کے گرد جمع ہو گئے۔

مہدی سوڈانی نے سوڈان کا وسیع دورہ کیا۔ ان کا مشن "احیاء الاسلام" تھا۔ وہ دنیا کو برائی اور خرابیوں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مذہبِ اسلام کو غلط رجحانات سے پاک کرنے کی تبلیغ کی۔ وہ قرونِ اولیٰ کے اسلام کو از سرِ نو زندہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ اسلام جو دنیا میں حیرت انگیز انقلاب کا محرک ہوا تھا جس نے اقوام عالم کو انصاف، مساوات اور نیکی کا سبق پڑھایا تھا، اور جس نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا تھا۔

انگریز بھلا ایسے شخص کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ انھوں نے فوراً خدیو مصر کو اپنا آلۂ کار بنایا، اور مہدی سوڈانی کے ۶۰ء اتم کو غلط رنگ میں پیش کر کے اس کی بیخ کنی پر آمادہ کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا اتنا غیر نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انگریز جو سازش اور ریشہ دوانیوں میں طاق ہیں انھوں نے خود مسلمان غداروں سے اسلامی مفاد کے خلاف کام کیا۔ اور پھوٹ ڈالو اور لڑاؤ کی پالیسی کو بروئے کار لا کر اسلامی تحریکوں اور سلطنتوں

کا تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

مہدی سوڈانی کی فتوحات سے برطانوی دار العلوم میں کھلبلی مچ گئی۔ مہدی کی فوج ایک سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ برطانوی حکومت نے قاہرہ میں اپنی افواج ستمبر ۱۸۸۲ء میں بھیج دیں اور ۱۸۸۳ء میں انگریز جنرل ولیم ہیکس کی زیر کمان دس ہزار مصری فوج مہدی سوڈانی کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھی۔ مہدی نے اس فوج کو بالکل تباہ کر دیا۔ ولیم ہیکس کو شکست فاش ہوئی اور اس کا ایک سپاہی بھی میدانِ جنگ سے واپس نہ گیا۔ انگریز بہادر اس شکست فاش سے اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ سر ولیم بارنگ نے جو قاہرہ میں برطانوی ایجنٹ اور قونصل جنرل تھے، ستمبر ۱۸۸۳ء میں انگریزی باشندوں کو سوڈان خالی کر دینے کا حکم دیا۔ انگریز سپاہیوں اور باشندوں نے سوڈان سے اپنا بوریہ بستر اسمیٹنا شروع کر دیا۔ کہاں مہدی سوڈانی کو ختم کرنے گئے، کہاں خود ہی ختم ہو گئے۔ اور وہاں سے سر پر پیر رکھ کر ایسے رفو چکر ہوئے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

مہدی سوڈانی کی فتوحات سے برطانوی پارلیمنٹ میں تہلکہ مچ گیا۔ برطانیہ کے گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ کوئی تیار نہیں ہوتا تھا جو سوڈان کے شیر کا مقابلہ کرلے۔

آخر کار ایک نیم مجنوں قسم کے انگریز گارڈن کو آمادہ کیا گیا کہ وہ سوڈان کو مہدی کے چنگل سے بچائے۔ گارڈن ۱۸ فروری ۱۸۸۴ء کو خرطوم پہنچا۔ مہدی سوڈانی کو معلوم ہوا تو اس نے خرطوم کا محاصرہ کر لیا۔ گارڈن کے کھلے

میدان میں تو مہدی کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، خیریت اسی میں سمجھی کہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ شاید انگریزی فوج کی کمک آجائے۔ بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ مہدی کی فوج نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ ورنہ شاید بھاگ بھی جاتے۔ گارڈن کی امداد کے لئے جو برطانوی فوج سر ہربرٹ اسٹیوارٹ کی سرکردگی میں روانہ کی گئی وہ راستے ہی میں ختم کر دی گئی۔ سر ہربرٹ بھی کام آئے اور ان کی فوج کا کوئی سپاہی رسید پہنچانے کے لئے باقی نہ بچا۔

گارڈن بیچارے آخر کہاں تک مقابلہ کرتے وہ "موش کوہی" کی طرح اپنے سوراخ میں گھسے ہوئے تھے اور نکلنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ آخر کار مہدی نے ایک زبردست حملہ کر کے ۲۶ جنوری ۱۸۸۵ء کو خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ اور جنرل گارڈن مارے گئے۔

خرطوم کی شکست اور گارڈن کی موت سے برطانیہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ انگریزوں نے اپنے سارے روایتی اور اوچھے حربے استعمال کرنے کا "تہیہ" کر لیا۔ اور انگلستان کے سب سے مشہور جنرل کچنر کو مہدی سوڈانی سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ کچنر ۱۸۹۲ء میں قاہرہ پہنچا اور خدیو مصر کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے تین سال تک مصر کی اسلامی فوج کو مہدی سوڈانی سے جنگ کرنے کے لئے تیار کرتا رہا۔ ساتھ ساتھ انگریزوں کے روایتی خفیہ حربے سازش اور رشوت سے بھی پورا پورا کام لیا گیا۔ اور سوڈان کے سرداروں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔

کچنر نے مہدی سوڈانی سے مقابلہ کے لئے کئی سال تک تیاری کی

تھی، جب ہر طرح تیاری مکمل ہو گئی اور سازشوں کا جال چاروں طرف بچھا دیا گیا اور رشوت اور سازش کے ذریعہ مہدی کے ساتھیوں میں نفاق پیدا کر دیا گیا تو کچنر مصر کی اسلامی فوج کو لے کر آگے بڑھا۔ غداروں کی بدولت مہدی کی فوج کو اومدرمان کے مقام پر ۲ ستمبر ۱۸۹۸ء کو شکست ہوئی۔ اس کے قبل مہدی کا وصال ہو چکا تھا۔

کچنر نے مہدی پر فتح پانے کے بعد سوڈانیوں پر ظلم وستم کا جو پہاڑ ڈھایا اس سے انسانیت تھرا جاتی ہے۔ مہدی کی لاش قبر سے نکال کر پامال کی گئی مہدی کی ہڈی بطور نشانی کچنر نے اپنی گھڑی میں آویزاں کی۔ کچنر کے اس کارنامے کے صلے میں اسے بیرن آف خرطوم بنا دیا گیا۔ بیچارے سوڈانی جن پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے، ان کا محض یہ جرم تھا کہ وہ اپنے ملک سے غیر ملکی (انگریزی) تسلط کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

خواجہ جمیل احمد صاحب کی دوسری تصانیف

"چند یادیں"

"چند یادیں" میں پچاس سے زائد ہم عصر شخصیتیں، جن میں اساتذہ، شعرار، ادبار، صحافیوں اور سیاست دانوں کی زندگی اور کارناموں پر بڑے دلچسپ اور مؤثر انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، جن سے ان کی شخصیت اُبھر کر جیتی جاگتی تصویروں کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ اس میں مزاح کی چاشنی اور دردمندی کا خلوص بھی پایا جاتا ہے، جس سے ان شخصیتوں کی اَن مٹ چھاپ قارئین کے قلوب پر ثبت ہوجاتی ہے۔

فاضل مصنّف نے اس دور کے متعدد نامور افراد کے خاکے جس اچھوتے انداز میں اپنے لوحِ دماغ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کئے ہیں، اس نے انھیں زندہ جاوید بنادیا ہے۔

کتابت، طباعت خُوشنما۔ سفید کاغذ

مُجلّد، قیمت: بیس رُوپے -/۲۰

وراثتِ اسلام

دورِ وسطیٰ میں جب سارا یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا دُنیائے اسلام میں علوم وفنون کی شمعیں روشن تھیں۔ قرطبہ، بغداد، پلرمو، اور قاہرہ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی ضوفشانیوں نے آخر کار یورپ کی جہالت کو دور کر کے مغرب کی نشاۃ ثانیہ کو جنم دیا۔

اسلام کے برگزیدہ پیغمبرؐ اور ان کے مقدس صحابہ کرامؓ کی بےمثل تعلیم و تربیت اور مثالی زندگی نے ایک ایسا حیرت انگیز انقلاب برپا کیا جس نے تیس سال کے قلیل سے عرصہ میں خانہ بدوش عربوں کو دُنیا کی سب سے بڑی طاقت بنا دیا۔ اسلام کا یہ انقلاب مادّی، رُوحانی، اخلاقی اور علمی شعبہ ہائے زندگی پر محیط تھا۔ اس انقلاب نے بڑے بڑے صاحبِ سیف وقلم، عظیم مفکر وسائنس داں، اولوالعزم حکمران اور فاتح، بےمثل صاحبِ کردار واخلاق پیدا کئے۔

"وراثتِ اسلام" میں دنیائے اسلام کے اس زرین دَور کی مادّی اور رُوحانی ترقیوں کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے، جو مغرب زدہ لوگوں کی اس غلط فہمی کو دُور کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگی کہ دنیا کی ساری ترقی مغرب کی مرہونِ منّت ہے؛ کتابت، طباعت دیدہ زیب۔

قیمت مجلّد: آٹھ روپے ۸/-

مشہور مسلمان سائنسدان

حصولِ علم سے متعلق اسلام کے برگزیدہ پیغمبر کی ہدایات نے مسلمانوں میں وہ جذبہ پیدا کر دیا جس نے زمانۂ وسطیٰ میں انھیں مختلف علوم و فنون کا امام بنا دیا۔

ہمارے مغربی تعلیم یافتہ طبقے کو بہت کم معلوم ہے کہ عہد وسطیٰ میں سائنس کی ترقی مسلمانوں کی مرہونِ منت ہے۔ اور سائنس ہی ان کے کارناموں سے وہ زمین تیار ہوئی جس پر بعد ازاں جدید سائنس کی عظیم عمارت تعمیر کی گئی۔

"مشہور مسلمان سائنس داں" میں ان ہی مسلمان سائنس دانوں کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنھوں نے مغرب کو سائنس کی روشنی سے منوّر کیا؛ کتابت و طباعت خوشنما۔

قیمت مجلّد سفید کاغذ : سات روپے -/۷

قیمت پیپر بیک : پانچ روپے ۵۰ پیسے

اسلامی تہذیب کے گہوارے

اسلام کے برگزیدہ پیغمبرؐ کے تاریخی الفاظ نے کہ "علم حاصل کرو، خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ دستیاب ہو۔" مسلمانوں میں حصول علم اور تلاشِ حقیقت کی ایسی لگن پیدا کردی جس نے انھیں علوم وفنون کا امام بنا دیا۔

زمانۂ وسطیٰ میں جب مغرب پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اسلامی ممالک میں علوم وفنون کی شمعیں روشن تھیں۔ مدینہ اور کوفہ، بغداد، قرطبہ، قاہرہ، نیشاپور، بُخارا اور سمرقند اسلامی علوم وفنون کے اہم مراکز تھے۔ جہاں دینی اور دنیاوی تعلیم کے بڑے بڑے ادارے درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ جن کی ضو فشانیوں نے آخر کار مغرب کی تاریکی کو دور کر کے نشاۃ ثانیہ کو جنم دیا۔

اس کتاب میں ایسے ہی تقریباً چالیس شہروں کا ذکر ہے جہاں اسلامی علوم وفنون کے اہم مراکز قائم تھے، کتابت وطباعت عمدہ۔

قیمت مجلّد: دس روپے -/۱۰

اسلام کے مشہور امیر البحر

از: عبدالواحد سندھی

کشتی، ملت کے عروج کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ہماری جہاز سازی اور جہاز رانی کے کارنامے دنیا کی تاریخ میں روشن ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہماری قوم اپنے اس قدیم فن پر پھر توجہ دے۔

اس کتاب میں مسلمانوں کو اسلاف کے کارناموں سے یاد دلا کر بتایا گیا ہے کہ اگر وہ دوبارہ دنیا کی حکومت چاہتے ہیں تو سمندر کے طوفانوں سے لڑنا سیکھیں، کیوں کہ بغیر اس کے کوئی قوم نہ ترقی کر سکتی ہے اور نہ زندہ رہ سکتی ہے۔

جن قوموں کے پاس جنگی بیڑے مضبوط ہیں وہی اس زمانے میں ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ بچوں اور بڑوں دونوں کے لئے یکساں ضروری ہے۔ کاغذ عمدہ سفید۔ لکھائی، چھپائی صاف ستھری۔

قیمت مجلد: آٹھ روپے ۸/-

Call Po/o
سلسلہ O نمبر

قرآنِ پاک کیا ہے

اور اُس نے کیا کر دکھایا؟

(مُصنّفہ: عبدالواحد سندھی)

خدا کی یہ کتاب ہمارے رسولِ مقبولؐ کا معجزہ ہے، بڑے بڑے شاعر اس کے آگے جھک گئے ایک ایک آیت نے عربوں کی کایا پلٹ دی۔ یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟ اس کو مشہور مورخ عبدالواحد سندھی نے بڑی عرق ریزی سے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے۔ تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن نے کس طرح لوگوں کو لاجواب کر دیا اور دنیا کو مجبوراً اس پیغام کی طرف آنا ہی پڑا۔

زبان سادہ سلیس آسان اور طرزِ ادا سلجھی ہوئی؛ صفحات ۱۶۰، قیمت: تین روپے۔

رسُولِ پاکؐ

رسُولِ پاک کون تھے؟" عبدالواحد سندھی کی مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب میں نہایت سلیس، سادہ اور آسان زبان میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسولِ پاکؐ کس طرح پلے بڑھے، بچپن اور جوانی میں کس طرح رہے؟ پھر خدا نے جب آپؐ کو آخری نبی بنایا تو دنیا کی حالت کیا تھی؟ آپؐ نے کس طرح دنیا کو اسلام کی طرف بلایا اور دنیا کو کیا سکھایا؟ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپؐ کے اخلاق نے کیونکر عام انسانی ذہن کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ خُلقِ محمدیؐ کے وہ پہلو جو ہماری روزانہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کو واقعات کی روشنی میں بچوں اور بچیوں کے لئے پیش کیا گیا ہے؛ قیمت: تین رُوپے

اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی

کتابخانہ احمد ہارون موسیٰ

...سری تصانیف

مشہور مُسلمان سائنس دان

زمانۂ وُسطیٰ میں دُنیائے اسلام نے ایسے عظیم سائنس داں پیدا کئے جن کے کارناموں پر جدید سائنس کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوگی۔ اس کتاب میں ان ہی نامور سائنس دانوں کا ذکر ہے۔

سائز $\frac{30 \times 20}{16}$ ۔ صفحات ۲۰۸۔ مجلد گرد پوش سے مزیّن۔ قیمت: چھ روپے پچاس پیسے

اسلامی تہذیب کے گہوارے

زمانۂ وُسطیٰ میں جب مغرب پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اسلامی ممالک میں علوم و فنون کی شمعیں روشن تھیں۔ اس کتاب میں ایسے ہی چالیس شہروں کا ذکر ہے جو اسلامی علوم و فنون کے مراکز رہے ہیں۔

سائز $\frac{30 \times 20}{16}$ ۔ صفحات ۳۷۶ ۔ مجلد قیمت: دس روپے

وراثتِ اسلام

اس نادر کتاب میں دنیائے اسلام کے اس دور کی مادی اور روحانی ترقیوں کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے جن کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں ملتی ہے۔

سائز $\frac{30 \times 20}{16}$ ۔ صفحات ۲۲۴ ۔ مجلد قیمت: سات روپے

اُردو اکیڈمی سندھ کراچی